الفتح
کراچی
۱۴-۲۱ ستمبر ۱۹۷۲ء



اولمپک میں فدائین کا تاریخی کارنامہ

قیمت : ـــــــ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ـــــ ۶۵ پیسے

جھل جاؤ و کراچی فائرنگ سے متاثر ہو کر

ریاض قمر

تاریخِ فردا

تم کہ صدیوں بہاروں کو زنجیر کرتے رہے
صحنِ گلشن میں دیوارِ زنداں اٹھاتے رہے
اور ہمارے لئے رہگذر رہگذر
روز مقتل سجاتے رہے
تم کہ قاتل تھے غاصب تھے اور خود ہی منصف بنے
تم نے تاریخ میں اپنے جرمِ سیہ
کارناموں کا عنوان دے کر لکھے
لیکن اے ظالمو، قاتلو، غاصبو
آنے والے زمانے کے تیور تو دیکھو ذرا
کارخانوں سے مزدور
کھیتوں سے دہقاں
لہو رنگ پرچم لئے
رہگذاروں پہ نکلے ہیں آج اپنا حق مانگنے
اپنا حق چھیننے
تم ڈرو اُس گھڑی سے جو ہے آنے والی
کہ جب ہم تمہارے لئے شاہراہوں پہ مقتل سجا کر
تمہارے وہ جرمِ سیاہ
تمہاری جبینوں پہ کندہ کریں
اور پھر یہ کہیں
ایک تاریخ تم نے لکھی ظلم اور جبر کی
ایک تاریخ ہم لکھ رہے ہیں۔
عدل و انصاف کی، عزمِ مزدور کی، دورِ جمہور کی

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد—۳ ، شمارہ—۱۸

۱۴-۲۱ ستمبر ۱۹۷۲ء

نگران

شوکت صدیقی

مدیر

ارشاد راؤ

نائب مدیر

وہاب صدیقی

بدل اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے:	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت:- ۶۰ فلس دوبئی، قطر: ۵، درم

سعودی عرب:- ۵ قرش۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت

ہفت روزہ الفتح ۲۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا

پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس۔ کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر:- ارشاد راؤ

مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

ٹیلیفون:- ۴۱۲۲۷۴

اداریہ

صدر بھٹو کے خلاف سازش

وطنِ عزیز پر ایک بار پھر سامراجیوں اور اُن کے دلالوں کی گھناؤنی سازش کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ لندن میں بہت کچھ ہو رہا ہے۔ الفتح نے سب سے پہلے اس پلان کے بارے میں عوام کو خبردار کیا تھا۔ اب سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر اس سازش کی تفصیلات ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے عوام تک پہنچ رہی ہیں۔ وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے بیان دیا ہے کہ لندن پہنچنے والے رہنما علاج معالجے یا اپنی نجی مصروفیات کے سلسلے میں گئے ہیں۔ میاں محمود علی قصوری نے کہا ہے کہ حکومت سازشیوں سے نمٹنے کے لیے تیار ہے۔ ان بیانات سے معاملے کی سنگینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لندن میں کیا ہو رہا ہے اور لندن پلان کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بعض طاقتیں پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ انہیں پاکستان میں کانگریسی کٹھ ملاؤں، رُوس نواز عناصر اور موقع پرستوں کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ ان کے ساتھ وہ سیاسی گرُگے اور جماعت بھی ہے جنھوں نے اکھنڈ بھارت کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اب ان کی اکثریت لندن پہنچ چکی ہے۔ وہاں مجیب کے ساتھ مل کر پلان بنایا جا رہا ہے۔ مغربی پاکستان میں چار صوبوں کی ڈھیلی ڈھالی کنفڈریشن، پھر بنگلہ دیش اور پھر ہندوستان سے الحاق۔

یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ حکومت اور پاکستانی عوام اس سے یقیناً نمٹ لیں گے۔ مُلک کی سالمیت اور اتحاد کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں گے لیکن ایک اور خطرناک کھیل وہ لوگ کھیل رہے ہیں جو حکومت میں نہ صرف شامل ہیں بلکہ کسی حد تک سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ ان کے عمل سے براہ راست پاکستان کو ختم کرنے والی طاقتوں کو تقویت پہنچ رہی ہے۔

یہاں اُن وزرا کا تذکرہ ضروری ہے جو ایوب شاہی کے دَور کی یادیں تازہ کر رہے ہیں۔ اِن میں سے بعض وہ ہیں جو یہ سوچ رہے ہیں کہ صدر بھٹو کا بدل وہی ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک خوفناک رُجحان ہے۔ صدر بھٹو کے خلاف سازش ہے، عوام دشمنی ہے اور بین الاقوامی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی دانستہ کوشش ہے۔

حال ہی میں وفاقی انجمنِ صحافیان پاکستان کے نائب صدر جناب سلیم علوی اور سیکرٹری جنرل جناب منہاج برنا نے وزارتِ اطلاعات پر سنگین نوعیت کے الزامات عائد کیے ہیں۔ ان کے مطابق وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی نے مساوات اور ٹرسٹ کے اخبارات میں کام کرنے والے صحافیوں کی ایک فہرست مرتب کروائی ہے جنہیں انہی بنیادوں پر اخبارات سے نکالا جائے جن بنیادوں پر نوابزادہ شیر علی خان نے صحافیوں کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا تھا۔

ہمارے نزدیک یہ کارروائی عامل صحافیوں کے خلاف نہیں بلکہ صدر بھٹو کے خلاف ہے۔ یہ بات کوثر نیازی صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ صدر بھٹو کو اب تک جس طبقے کی حمایت حاصل ہے اس میں دانشوروں اور صحافیوں کا طبقہ سرِفہرست ہے اور اس طبقے کے خلاف کارروائی کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ سرمایہ دار مالکانِ اخبارات کے ساتھ ساتھ عامل صحافیوں کو بھی صدر بھٹو کے خلاف صف آرا کر دیا جائے۔

یہ ایک معمولی سی مثال ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی مثالیں ہیں جن سے ثابت کیا جا سکتا

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

الفتح
انکشاف

سعودی عرب، اردن، نائیجیریا اور لبنان بھارت سے کروڑوں روپے کا اسلحہ خرید رہے ہیں

اسلحہ فروخت کرنے کے لیے ایکسپورٹ مارکیٹ میں شامل ہونے کا منصوبہ

بھارت کی خفیہ فوجی تیاریاں

بھارت ایک طرف اپنے پڑوسی ملکوں کو عسکری اعتبار سے کمزور دیکھنا چاہتا ہے، دوسری طرف وہ تیزی سے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کر رہا ہے۔ بھارت کی جانب سے بار بار یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ اس کی پالیسی امن، دوستی اور سلامتی کی پالیسی ہے۔ اس نے متعدد بار پاکستان پر فوجی طاقت میں اضافہ کرنے کا الزام بھی عائد کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھارت تمام دُنیا سے بالخصوص اپنے پڑوسی ملکوں سے امن اور سلامتی کا خواہشمند ہے تو پھر وہ اتنی تیزی سے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیوں کر رہا ہے؟ اگر پاکستان اپنی سرحدوں کی سلامتی اور بقا کے لیے عسکری نظم و ضبط کو مضبوط بنانے کے لیے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو بھارت کیوں سُلگ اٹھتا ہے؟

دراصل بھارت کی نیّت میں فتور ہے۔ اس کی دوستی امن اور سلامتی کا سارا بھانڈا اس وقت پھُوٹ گیا جب اس نے گزشتہ اپریل میں اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اپنے ملک میں تیار ہونے والے فوجی ساز و سامان کی برآمدات کے لیے ایکسپورٹ مارکیٹ میں داخل ہونے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ ایکسپورٹ مارکیٹ میں شامل ہونے کا منصوبہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پچھلے چند برسوں میں اس نے جنگی ساز و سامان کی پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ کیا ہے۔ وہ دراصل ایشیا میں اپنے سامراجی مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جلد از جلد ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہونا چاہتا ہے روس کے فوجی ماہرین اس کام میں اس کی دن رات مدد کر رہے ہیں۔

بھارت میں اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی پیداوار میں وسعت دینے کے لیے ڈیفنس ریسرچ ایجنسیاں اپنے دائرہ کار کو راکٹوں، میزائلوں اور آبی ہتھیاروں کی تیاری تک بڑھانے میں مصروف ہیں

حال ہی میں اٹامک انرجی کمیشن کی طرز پر علیحدہ سے خلائی کمیشن بھی قائم کر دیا گیا جس کی سربراہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی ہیں۔ گو میزائل پروگرام میں ابھی بھارت کو بیرونی امداد پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے لیکن اس کی نیت اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ وہ اس معاملے میں جلد از جلد اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔

بھارت کا ڈیفنس بجٹ دُنیا کے بڑے ممالک امریکہ فرانس، برطانیہ اور سوویت یونین کے مقابلے میں بہت کم ہے مگر اس کے اپنے وسائل کے اعتبار سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ اپنے بجٹ کا بڑا حصّہ ڈیفنس کی تیاری پر خرچ کر رہا ہے

بھارت کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی پسماندگی کے پس منظر میں اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی اس تیز رفتاری کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بھارت ایشیا میں ایک بڑی طاقت بننے اور روسی گٹھ جوڑ سے چین کو گھیرنے کے لیے اپنی فوجی طاقت میں غیر معمولی اضافہ کر رہا ہے۔

بھارت میں ان دنوں ۲۸ اسلحہ ساز فیکٹریاں دن رات کام کر رہی ہیں۔ بھارت کے ایک شہر "آواری" میں قائم شدہ ہیوی وہیکلز کی فیکٹری پروڈکشن میں شب و روز مصروف ہے ایسی طرح ٹنڈلا میں گوشت خشک کرنے کی فیکٹری بھی معیاری کام کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بھارت کی یہ ساری فوجی فیکٹریاں جدید فوج کی تمام ضروریات بحُسن خوبی پورا کرنے میں ناقابل یقین مثال قائم کر رہی ہیں۔ ۷۲-۱۹۷۱ء میں ان کی مجموعی پیداوار کی مالیت ۱۹۰٫۶۸ میلین اسٹرلنگ ڈالر ہو گئی جبکہ ۶۲-۱۹۶۱ء میں بھارت کی مجموعی دفاعی پیداوار صرف ۵٫۶۲۵ میلین اسٹرلنگ ڈالر کے برابر تھی۔

وزارت دفاع کے کنٹرول میں پبلک سیکٹر فوجی ساز و سامان کی پیداوار میں اپنا حصہ ادا کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں پرائیویٹ سیکٹر میں چھوٹی اور بڑی ایسی بے شمار فیکٹریاں سلحہ کی پیداوار میں حکومت سے غیر معمولی تعاون کر رہی ہیں

"تازہ ترین اطلاع کے مطابق بھارت میں ایچ ایف ۲۴ - لڑاکا بمبار اور "وجے نیتا" ٹینک بھاری تعداد میں تیار کیا جا رہا ہے۔ آئی این ایس نیلگری میں پہلا فریگیٹ بنایا گیا۔ ایسی دو فریگیٹوں کی تیاری کا کام جاری ہے۔ ہر فیکٹری اور مینوفیکچررز میں تیار ہونے والے اسلحہ میں نئے آئیٹم کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ سیلف لوڈنگ رائفل، کاربائنز، ہلکی مشین گنیں، پہاڑی بندوقیں اور جدید انٹی کرافٹ گنیں، بھاری تعداد میں بن رہی ہیں۔

بھارت دوسرے سامراجی ملکوں کی طرح اپنے فوجی ساز و سامان کے لیے منڈی تلاش کر رہا ہے۔ اس کے اسلحہ کی مانگ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جنگوں کے دوران اس کی پیداوار عروج پر پہنچ جاتی ہے جبکہ عام حالات میں مانگ نہ ہونے کے سبب پیداوار گھٹ جاتی ہے۔ اس مسئلے کا حل نکالنے کے لیے بھارت اپنی ایکسپورٹ مارکیٹ کو ترقی دینا چاہتا ہے

فی الحال بھارت کی ٹریڈنگ کارپوریشن کو سعودی عرب، اُردن، نائیجیریا، لبنان، مغربی ایشیائی ملکوں کے ساتھ چند افریقی ملکوں کی جانب سے فوجی بوٹس، وردی اور آہنی ٹوپیوں کی سپلائی کا اچھا خاصا آرڈر مل چکا ہے۔ فوجی ساز و سامان کی اس مانگ کی مالیّت تین لاکھ ستر ہزار اسٹرلنگ ڈالر بتائی جاتی ہے۔ اس کاروبار کی دیکھ بھال کے لیے علیحدہ سے ایک پبلک سیکٹر کارپوریشن قائم کی جا رہی ہے۔

بھارت جس طریقہ سے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کر رہا ہے اور اسلحہ کی دوڑ میں جس انداز سے حصہ لے رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بھارت کی امن پسندی، اہنسا پرستی اور خیر سگالی کے دعوؤں کی قلعی کھل گئی ہے۔ بھارت دراصل ایشیا میں روسی سوشل سامراج کے دلال کی حیثیت سے ایشیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں بالخصوص پڑوسی ملکوں کو ہڑپ کرنے کی نیت سے آگے بڑھ رہا ہے۔

الفتح

لندن پلان کا مرکزی کردار

آتما چند کون ہے؟

ابوالمنصور

مارچ ۱۹۷۲ء کے تیسرے ہفتہ میں کابل سے آنے والے ایک پُراسرار شخص نے تورخم کی سرحدی چوکی کو عبور کیا۔ یہ ایک سنسان سہ پہر تھی۔ نیپ کے دو کارکن ایک جیپ میں کچھ ہی دیر قبل وہاں پہنچے تھے۔ انہوں نے اس شخص کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ جیپ میں نیپ کے کارکنوں کے ہمراہ پشاور روانہ ہو گیا۔

سُورج غروب ہونے سے پہلے ہی جیپ شاہی باغ میں واقع خان ولی خاں کے مکان پر جا کر ٹھہری۔ ولی خان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ رات اس پُراسرار شخص نے وہیں بسر کی۔ آدھی رات تک ایک بند کمرے میں اس شخص کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان خفیہ مذاکرات میں خان ولی خان اجمل خٹک اور لالہ ایوب کے علاوہ نیپ کے دو مقامی رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔

دوسرے روز پہر دن چڑھے وہ کابل چلا گیا۔ پاسپورٹ پر اس کا نام عبدالرحمٰن درج ہے مگر یہ اس کا اصلی نام نہیں، وہ مسلمان بھی نہیں، ہندو ہے۔ اس کا نام دیوان آتما چند ہے وہ بنّوں میں پیدا ہوا۔ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران وہ فوج میں بھرتی ہو کر مشرق بعید کے محاذ پر چلا گیا۔ جب سوبھاش چندر بوس نے آئی این اے (انٹرنیشنل آرمی) قائم کی تو وہ برطانوی فوج سے بغاوت کر کے اس میں شامل ہو گیا۔

جنگ کے خاتمے کے بعد وہ بمبئی کے ایک اشاعتی ادارے سے وابستہ ہو گیا۔ بمبئی کے اس قیام کے دوران اس نے بائیں بازو کی تحریکوں میں حصّہ لیا مگر کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی بجائے ایک کٹر قوم پرست کی حیثیت سے اس کا جھکاؤ انڈین نیشنل کانگریس کی جانب رہا۔ لیکن کانگریس میں وہ پنڈت نہرو کا زبردست حامی اور سردار پٹیل، مرارجی ڈیسائی اور پاٹل کا مخالف رہا۔ اسی مخالفت کے باعث اسے بمبئی چھوڑنا پڑا۔ وہ لندن چلا گیا۔

اس وقت سے آتما چند کا بیشتر وقت لندن اور یورپ میں گزرنے لگا۔ اس دوران وہ کئی بار ہندوستان بھی آیا۔ کانگریس کے دوسرے رہنماؤں کے علاوہ دو بار آنجہانی پنڈت نہرو سے بھی ملا۔ ۱۹۵۷ء میں وہ پہلی بار ماسکو گیا۔ دوسری بار وہ ۱۹۶۳ء میں سوویت یونین گیا اور آٹھ ماہ تک مشرقی یورپ کے سوشلسٹ ممالک کا دورہ کرتا رہا۔ اپنے بارے میں یہ تمام تفصیلات آتما چند نے ایک انٹرویو میں بتائیں۔ جو بمبئی کے انگریزی رسالے "مارگ" میں شائع ہو چکی ہیں۔

آتما چند کے پاس ہندوستانی برطانوی اور افغانستانی تین بین الاقوامی پاسپورٹ ہیں۔ ان کے ذریعے وہ آسانی سے جہاں چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہے۔ وہ انگریزی اور ہندی کے علاوہ پشتو نہایت روانی سے بول سکتا ہے۔ اس کا قد لمبا، جسم مضبوط اور چہرہ سُرخ و سفید ہے۔ جب وہ لمبی قمیض اور شلوار کے ساتھ چپلی پہن کر نکلتا ہے تو وضع قطع اور چہرے مہرے سے قبائلی پٹھان نظر آتا ہے بتایا جاتا ہے کہ لندن میں اس کی ملاقات محمود ہارون سے پہلی بار روسی سفارت خانے کی ایک تقریب میں ہوئی۔ اس کے بعد وہ راجہ محمود آباد کے توسط سے محمود ہارون کے پاس اکثر آتا جاتا رہا اور ان کے قریب سے قریب آتا گیا۔ محمود ہارون ان دنوں برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔

۱۹۶۹ء میں جب شیخ مجیب الرحمٰن، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور ولی خاں مختلف امراض میں مبتلا ہو کر علاج کرانے لندن گئے تو آتما چند کی پاکستان کے ان سیاسی رہنماؤں سے بھی ملاقات ہوئی۔ پھر ان ملاقاتوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ اِن ملاقاتوں میں شرکت کے لیے نیویارک سے یوسف ہارون بھی پہنچے۔ انہی دنوں پاکستان کے بعض اخبارات میں "لندن پلان" کے بارے میں بعض اطلاعات شائع ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ لندن میں ایک سیاسی سازش کا منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے اس سازش کے تحت پاکستان میں ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں آئے گا جس میں صدر مملکت اصغر خاں وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن اور وزیرخارجہ ولی خاں ہوں۔ ان کے علاوہ اس حکومت میں دولتانہ اور محمود ہارون بھی شامل ہوں گے۔ اس منصوبے کو "ہارون، مجیب، ولی خاں اور دولتانہ اتحاد" قرار دیا گیا۔

لیکن یہ اطلاعات ناقص تھیں۔ انہیں یحییٰ خاں کے اشارے پر سابق وزیراطلاعات نوابزادہ شیر علی خاں نے جماعت اسلامی اور اس کے حامی اخبارات کے ذریعے شائع کرایا تھا اس لیے کہ یحییٰ خاں اور ان کے مددگار فوجی جنرل اپنے قابلِ اعتماد وزراء شیر علی خاں اور نواب مظفر علی قزلباش کے ساتھ اقتدارِ مملکت سے کنارہ کش ہونے پر ہرگز آمادہ نہ تھے۔ ان کا پروگرام تاحیات حکومت پر قابض رہنے کا تھا۔ یہ بات لندن میں اکٹھا ہونے والے سیاستدانوں کو اچھی طرح معلوم تھی۔

البتہ ایک مسئلہ پر یہ سیاستدان اور یحییٰ خان متفق تھے اور وہ مسئلہ تھا پیپلز پارٹی اور اس کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو کو ہر قیمت پر اقتدار سے محروم رکھنا اور اس کی مخالفت کرنا۔ اس مخالفت کا بنیادی سبب پیپلز پارٹی کا عوامی جمہوریہ



"مشرقی پاکستان میں اتنے چاقو نہ ہونگے، جتنی ہمارے پاس بندوقیں اور رائفلیں ہیں۔"

ولی خان

آتما چند نے جولائی میں سندھ اور کوئٹہ کا دورہ کیا تھا

چین کی طرف جھکاؤ اور بھارت، رُوس اور امریکہ کے خلاف اس کا کھلّم کھلّا عناد تھا جس کا اظہار پیپلز پارٹی کے منشور سے بھی ہوتا ہے اور ذوالفقار علی بھٹو کی تقریروں میں بھی واضح طور پر نظر آتا تھا۔

یہی وہ نکتہ تھا جس کی بنیاد پر لندن پلان تیار کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ سازش داخلی سیاست سے نکل کر بین الاقوامی شکل اختیار کر گئی جو سیاست دان اس وقت لندن میں مقیم تھے اُن کی حیثیت یہ تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن بھارتی اور امریکی مفادات، ولی خاں بھارتی اور رُوسی مفادات کی، ہارُون برادر روسی اور امریکی مفادات کی اور دولتانہ برطانوی مفادات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ راجہ محمود آباد کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ یحییٰ خاں کے ایما پر ان خفیہ مذاکرات میں شریک ہوئے اور آتما چند بھارت اور روس کے ساتھ رابطے کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

یہ لندن پلان دو مرحلوں پر مشتمل تھا۔ اس کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ پاکستان کا ایسا کنفڈریشن قائم کیا جائے جس میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا نام دیا جائے اور اسے مکمل خود مختاری حاصل ہو۔ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو اتنی زیادہ خود مختاری حاصل ہو کہ وہ ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی شکل اختیار کر سکیں۔ اس مجوزہ کنفڈریشن کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ بھارت رُوس اور امریکہ سے اس کے تعلقات کی نوعیت آئندہ کیا ہو گی اس مسئلہ پر طویل مذاکرات کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور یہ طے کیا گیا کہ انتخابات کے بعد پارٹی پوزیشن کی بنیاد پر اس کا تعین کیا جائے۔

دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ اگر یحییٰ خاں نے اسکندر مرزا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انتخابات نہ کرائے جس کا قطعی امکان تھا، تو ایسی صورت میں اصغر خاں، نور خاں اور ان ریٹائرڈ فوجی جرنلوں کے ذریعے فوج کے ایک طاقتور گروہ کو ملا کر فوجی بغاوت کے ذریعے حکومت پر قبضہ کرایا جائے۔ اور اس طرح کنفڈریشن کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

"لندن پلان" بنیادی طور پر پنجاب کی سول اور فوجی نوکر شاہی کے خلاف مشرقی پاکستان کے اُبھرتے ہوئے بورژوا طبقے اور سرحد، بلوچستان اور سندھ کے قبائلی سرداروں اور بڑے جاگیرداروں کی سازش تھی۔ اس بات کا اظہار میاں ممتاز دولتانہ نے بعض نجی محفلوں میں اس وقت کیا جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور انہوں نے "لندن پلان" سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

لیکن دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات نے پانسہ پلٹ دیا۔ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی لندن پلان کے سیاستدانوں کی توقع کے خلاف ایک اکثریتی جماعت کی حیثیت سے کامیاب ہو گئی۔ عوامی لیگ کو ملک کے اس بازو میں بُری طرح ناکامی ہوئی۔ ولی خاں کی نیپ بھی چند نشستوں سے زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ یہی حشر کونسل مسلم لیگ، تحریک استقلال اور جماعت اسلامی کا ہوا۔

حالات نے جب یہ رُخ اختیار کیا تو یہ طے کیا گیا کہ پیپلز پارٹی کو نظر انداز کر کے عوامی لیگ کی سربراہی میں بعض دوسری جماعتوں کے تعاون سے ایک ایسی حکومت قائم کی جائے جو قومی اسمبلی سے ایک ایسا دستور منظور کرانے میں کامیاب ہو جائے جو آگے چل کر پاکستان کو ایک کنفڈریشن کی شکل دے سکے۔ اس مرحلے پر مُلک کی سیاسی قوت تین حصوں میں بٹ گئی۔ یعنی یحییٰ خاں اور جماعتِ اسلامی، عوامی لیگ نیپ (ولی گروپ) اور دائیں بازو کی جماعتیں اور پیپلز پارٹی، نیپ کا بھاشانی گروپ اس سیاسی رسہ کشی سے الگ تھلگ رہا۔ وہ دور اس وقت جماعتی تضادات میں بُری طرح مبتلا تھا۔

یحییٰ خاں نے اس وقت دو رُخی پالیسی اختیار کی۔ وہ ایک طرف شیخ مجیب اور اُن کے اتحادی سیاستدانوں کو باور کرانے کی کوشش کرتے کہ وہ اقتدار ان کے سپرد کر دیں گے۔ دوسری طرف وہ پیپلز پارٹی کو بھی اعتماد میں رکھنے کے لیے کوشاں رہتے اور اس کے رہنماؤں کو یہ تاثر دیتے کہ اقتدار مملکت میں اسے مغربی پاکستان کی نمائندگی کے نام پر برابر کے شریک کیا جائے گا۔ منصوبہ ان کا یہ تھا کہ دونوں سیاسی قوتیں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہو گئے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی نیت کا کھوٹ بھی کھل گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو یہ بخوبی اندازہ ہو گیا کہ یحییٰ خاں اقتدار سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتے۔ وہ ایوب خاں کی طرح فوج کے بل بوتے پر طویل عرصہ تک حکمرانی کے خواہشمند ہیں

یہ سیاسی بحران جنوری ۱۹۷۱ء میں کھل کر سامنے آ گیا

انہی دنوں سابق امریکی سفیر فارلینڈ شیخ مجیب سے ڈھاکہ میں ملے اور ان پر یہ بات واضح کر دی کہ امریکی حکومت صرف اسی صورت میں ان کی مدد کر سکتی ہے جب تک انہیں یحییٰ خاں کی پوری تائید حاصل نہ ہو۔ امریکی حکومت نے یہ پالیسی مشرقی پاکستان میں بھارت اور روس کے بڑھتے ہوئے سیاسی غلبے کے پیش نظر اختیار کی تھی۔ اس طرح فارلینڈ نے شیخ مجیب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ وہ یحییٰ خاں سے ان کی شرائط پر معاملہ کر لیں گے مگر عوامی لیگ میں ہندوستان کا حامی گروہ اس قدر طاقتور بن چکا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ شیخ مجیب نے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح امریکہ مشرقی پاکستان کی سیاست میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یوسف ہارون بھی پس منظر میں چلے گئے۔ چنانچہ لندن پلان کی باگ ڈور ان کے چھوٹے بھائی محمود ہارون کے ہاتھ آ گئی جو اُن دنوں لندن میں مقیم تھے اور رُوس کے بہت قریب آ چکے تھے۔

اس سیاسی بحران کے دوران شیخ مجیب الرحمٰن کو منانے کے لیے ڈھاکہ پہنچنا مغربی پاکستان کی ان چھوٹی سیاسی جماعتوں کا دستور بن گیا جو کچھ تو پیپلز پارٹی کی مخالفت میں اور کچھ وزارت اور سفارت کی طلبگار تھیں۔ وہ کسی نہ کسی طور عوامی لیگ کی اکثریت سے سیاسی اور اقتصادی فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔ ان میں نورانی میاں قبیل کے ایسے سیاستدان بھی تھے جو لندن پلان میں شریک نہ تھے مگر ہوس اقتدار اور سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی کے باعث پاکستان کے خلاف سازش میں غیر ارادی طور پر شریک ہو گئے۔

جنوری کے آخری ہفتے میں جب سیاسی بحران نازک مرحلے میں داخل ہو رہا تھا۔ آتما چند، لندن سے ڈھاکہ پہنچا اور سترہ روز تک وہاں مقیم رہا۔ شیخ مجیب کے علاوہ وہ ولی خاں اور دولتانہ سے بھی ملا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس دوران جو مذاکرات ہوئے ان میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ شیخ مجیب کسی قیمت پر یحییٰ خاں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ آتما چند پہلے ہی یہ یقین دہانی کرا چکا تھا کہ بھارت ہر طرح لندن پلان کو کامیاب بنانے میں مدد کرے گا۔

آتما چند واپس لندن پہنچا تو چند ہی روز بعد ولی خاں ڈھاکہ میں شیخ مجیب سے ملنے کے بعد آنکھوں کا علاج کرانے کے لیے کابل میں اپنے والد خان عبدالغفار خاں اور وہاں مقیم بعض اہم بھارتی سیاستدانوں سے گفت و شنید کر کے لندن پہنچے۔ یہاں لندن پلان کے دوسرے مرحلے کی تکمیل کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اسی دوران یحییٰ خاں نے اچانک تار کے ذریعے انہیں واپس بلا لیا۔

حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے۔ یحییٰ خاں اپنی بات پر اڑے تھے اور مجیب اپنی جگہ جمے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی سرگرمیوں کو چوکنا نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ تیاری میں مصروف تھے۔ یحییٰ خاں نے دھڑا دھڑ فوجی کمک مشرقی پاکستان بھیجنا شروع کی۔ مجیب الرحمٰن اس کی اطلاع بھارت اور روس کو پہنچاتے رہے۔ آخر مارچ میں تصادم

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیے



"خوف نہ کھاؤ، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دو، جلتے انگارے ہاتھوں میں لے کر میدان جنگ میں کود پڑو، تمہارا مقدر، شہادت یا مادر وطن کی آزادی ہے تمہارا مقصد انقلابی قوت کا مظاہرہ ہے۔ اقوام عالم کو ہر انداز میں اپنی آواز سناتے رہو مسلسل پروپیگنڈے اور پیہم عمل سے فلسطین کے مسئلہ کو دنیا سے روشناس کراتے رہو۔"

ابوعمارہ یاسر عرفات

میونخ میں

عرب فدائین اپنے خون سے تاریخ کا نیا باب لکھ گئے

شوکت صدیقی نے لکھا

★ گیارہ اسرائیلی مارے گئے۔
★ دو جرمن ہلاک ہوئے۔
★ پانچ عرب فدائین شہید اور تین اسیر ہوئے۔

میونخ کی اولمپک بستی میں یہ اس خونی کھیل کا اسکور ہے جس نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ ذہنوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ موت کے اس کھیل میں کون جیتا، کون ہارا؟ اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ جنگ ابھی جاری ہے اور اس





تین زخمی عرب حریت پسند عبد الخیر الاناوی۔ سامر محمد عبداللہ اور ابراہیم مسعود بدران جنہیں جرمن پولیس نے گرفتار کیا ہے۔

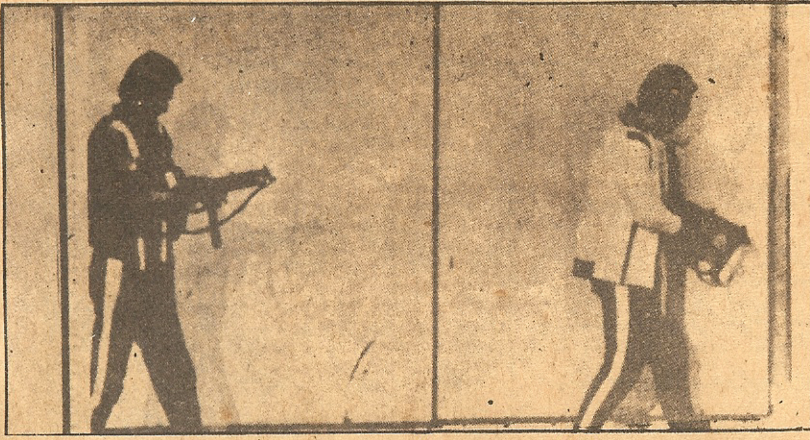
وقت تک جاری رہے گی جب تک فلسطین کے افق پر آزادی کا سورج طلوع نہ ہوگا۔ جب تک اسرائیل اپنے سامراجی آقاؤں کے ساتھ کیفر کردار کو نہ پہنچے گا ذلت اور تباہی اسرائیلیوں کا مقدر بن چکی ہے جو فدائین شہید ہوئے وہ اپنے خون سے عربوں کی تاریخ کا نیا باب لکھ گئے۔

ع شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

میونخ میں جو خونی معرکہ ہوا وہ نہ انجام ہے نہ آغاز، یہ اس طویل جدوجہد کی ایک کڑی ہے جو چوتھائی صدی سے فلسطین کی سرزمین پر جاری ہے۔ آغاز اس کا اُس وقت ہوا جب برطانوی اور امریکی سامراجیوں کی سرپرستی میں یہودیوں نے زبردستی فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یہ حادثۂ جانکاہ ۱۹۴۷ء میں رونما ہوا جب برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ کے روبرو پیش کیا۔ اس وقت فلسطین میں یہودیوں کی تعداد چھ فیصد سے زائد نہ تھی۔ اس حقیقت کے باوجود اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین میں اسرائیلی ریاست قائم کرنے کی سفارش کی۔ فلسطین کے مجموعی رقبے کا ۵۴ فیصد علاقہ اس ناجائز ریاست کے لیے منظور کیا گیا۔ فلسطین کی تقسیم کا یہ فیصلہ اقوام متحدہ کے منشور کی کھُلّم کھُلّا خلاف ورزی تھا۔

حقائق بتاتے ہیں کہ ۱۹۱۷ء میں جب برطانوی سامراج نے فلسطین کا مسئلہ زبردستی پیدا کیا اس وقت فلسطین میں عربوں کی آبادی نوّے فیصد سے زائد تھی اور دس فیصد یہودیوں میں بھی صرف پانچ فیصد ایسے یہودی تھے جو فلسطین کے اصل باشندے تھے۔ بقیہ ایسے یہودی تھے جو یورپ اور برطانیہ سے فرار ہو کر فلسطین آ گئے تھے۔ اس وقت تک فلسطین میں ۹۷ ½ فیصد تک زمین عربوں کی ملکیت تھی۔ اور یہودیوں کے پاس مجموعی طور پر صرف ۲ ½ فیصد زمین تھی فلسطین پر تیس سال تک برطانوی نوآبادکاروں کا قبضہ رہا لیکن برطانیہ کی حوصلہ افزائی کے باوجود یہودی ۳ ½ فیصد سے زائد زمین فلسطین میں خرید نہ سکے اور یہ خریداری

عرب حریت پسندوں کو بے رحم اور قاتل کہنے والو دیر لیسین کا واقعہ یاد کرو



جرمن پولیس اسرائیلی کھلاڑیوں کی رہائش گاہ کی چھت پر مورچے سنبھال رہی ہے

عرب فدائین کو بدنام کرنے میں ولی برانت اور ولسن پیش پیش ہیں

بھی اس طرح ہوئی کہ اسے عربوں نے فروخت نہ کیا بلکہ برطانوی نوآبادکاروں نے اسے براہ راست صیہونی اداروں کو منتقل کر دیا۔

مستزاد یہ کہ ۱۹۴۷ء کی سفارشات کی توثیق کے لیے ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس بلایا گیا تو اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جہاں تک ۱۹۴۷ء کی سفارشات کا تعلق ہے اس کی پہلی رائے شماری میں "اسرائیلی ریاست" کے قیام کے حق میں صرف یورپی اور امریکی ریاستوں کے ووٹ آئے اور بجز جنوبی افریقہ کے تمام افریقی اور ایشیائی ممالک نے مخالفت میں ووٹ دیئے۔ آخر ۲۹۔ نومبر ۱۹۴۷ء کے مکمل اجلاس میں امریکی دباؤ کے تحت ایشیا سے صرف فلپائن اور افریقہ سے لائبیریا کی تائید حاصل کی جاسکی جسے امریکی صدر ٹرومین کی کابینہ کے ایک وزیر نے عالمی سیاست کا وسیع ترا سکینڈل قرار دیا۔

اس طرح امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک کی ایک بین الاقوامی سازش کے تحت "اسرائیل" کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن مغرب کے سرمایہ دار اخبارات نے ان حقائق کو ہمیشہ مسخ کر کے پیش کیا یہودیوں کو مظلوم اور فلسطینی عربوں کے موقف کو ہٹ دھرمی قرار دیا۔ اس طرح زبردست گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو اسرائیل کی ناجائز ریاست کے حق میں ہموار کرنے کی سر توڑ کوشش کی گئی، اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے معرکۂ میونخ کے بارے میں بھی اسی طرح امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ایسا تاثر دینے میں مصروف ہیں جس میں اسرائیلیوں کو مظلوم اور عرب فدائین کو دہشت پسند، بے رحم اور سفاک ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہی حال ان ممالک کے سیاسی رہنماؤں کا ہے ان میں جرمنی کے ولی برانت اور برطانیہ کے ہیرالڈ ولسن پیش پیش ہیں۔ ان آوازوں میں اُردن کے شاہ حسین کی آواز بھی شامل ہے جو اپنے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے فدائین کی مذمت میں بہت آگے جا چکے ہیں۔ البتہ شاہ فیصل خاموش ہیں، برطانوی پٹھو شریف مکّہ کی اولادوں سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے فلسطین کے سینے میں خنجر شریف مکّہ ہی کے ہاتھوں اتارا گیا تھا۔

دوسری طرف میونخ میں پانچ فدائین کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ اسرائیلیوں کا ماتم ہو رہا ہے۔ جھنڈے سرنگوں کیے جا رہے ہیں۔ گولڈا میئر کو تعزیت کے پیغامات بھیجے جا رہے ہیں۔ اخبارات سیاہ حاشیوں کے ساتھ ان کی موت کی خبریں شائع کر رہے ہیں۔ فدائین کو قاتل اور بے رحم بتایا جا رہا ہے۔ شہیدوں کی لاشوں کی بے حرمتی ہو رہی ہے آج اولمپک بستی میں لاکھوں کے اژدھام میں ان کے لیے کوئی آنسو بہانے والا نہیں، کوئی آنکھ اشکبار نہیں، کوئی آواز فریاد کناں نہیں۔

کیا وہ واقعی سفاک تھے، شاید ـــــ ہاں، انہوں نے گیارہ معصوم کھلاڑیوں کا خون کیا، عالمی کھیلوں کی خوشیوں کو پامال کیا، رنگ میں بھنگ ڈالا، مسرتوں کو غم سے بدل دیا۔ یہ ظلم ہے زیادتی ہے۔ جرمن اخبارات یہی کہتے ہیں۔ یورپی، برطانوی اور امریکی اخبارات یہی کہتے ہیں۔ ان کے سیاستدان اور دوسرے لوگ بھی یہی بات کہتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ایسے اخبارات، سیاستدان اور دانشور موجود ہیں جو گیارہ اسرائیلیوں کی موت پر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔ فدائین کی مذمت

"خوف نہ کھاؤ ہر انداز میں اپنی آزادی کی جنگ جاری رکھو"

یاسر عرفات



کرتے ہیں، انہیں دہشت پسند اور سفاک بتاتے ہیں۔

اے اسرائیلیوں کے غم میں آنسو بہانے والو!

اے انسانیت کے علمبردارو!

کیا تم نے کبھی فلسطین کے مظلوم عوام کی تاریخ پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہے؟ کیا تمہیں ان کی داستان خونچکاں سے کبھی سابقہ پڑا ہے؟ کیا تمہیں علم ہے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ کیا تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ اس ظلم کا آغاز کب ہوا اور کس نے کیا؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں؟ ظلم اتنے ہیں کہ گنواؤں تو گنوا بھی نہ سکوں۔ کیا کیا بتاؤں کیا کیا بیان کروں؟

صرف دیر لیسین ہی کا واقعہ لے لیجئے۔

یہ ۹۔ اپریل ۱۹۴۸ء کا ایک روشن دن ہے۔ بستی کے عرب فلسطینی مرد اور نوجوان اپنے کاروبار کے لیے حسب معمول شہر جا چکے ہیں۔ بستی میں صرف بچے، عورتیں اور بوڑھے رہ گئے ہیں۔ یہودیوں کی دہشت پسند تنظیم اُرجون زوائی لیمی کے مسلّح اسرائیلی بیت المقدس کی مغربی سرحد کے گاؤں دیر لیسین میں اچانک داخل ہوتے ہیں اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اس قتل عام میں دو سو ۵۴ - افراد شہید ہوئے ان میں ۴۵ عورتیں بھی شامل تھیں جن میں پچیس حاملہ تھیں

قتل عام کے بعد لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم ہوا اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بستی جلتے ہوئے ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ آج اسرائیل کے نقشے پر اس بستی کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ مقام ۱۹۴۸ء تک بیت المقدس میں کفر شوال کے علاقے میں کہیں واقع تھا۔

قتل و غارت گری کے بعد ایک سو پچاس عرب عورتیں اور بچے باقی بچے جو زخمی تھے، لاوارث اور بے یار و مددگار تھے۔ ان میں ایسی عورتیں تھیں جن کا سہاگ اجڑ چکا تھا جن کی گودیں خالی ہو چکی تھیں۔ ان میں ایسے بچے تھے جن کے سر سے ماں باپ کا سایہ اُٹھ چکا تھا۔ یہ وہ بدقسمت فلسطینی تھے جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے ماں باپ بہن بھائیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔

انہیں ٹرکوں میں بھر کر یہودی بستی میں لے جایا گیا۔ جب یہ لٹا پٹا قافلہ وہاں پہنچا تو اس کا خیر مقدم اس طرح کیا گیا کہ پہلے انہیں برہنہ کر کے کوڑے لگائے گئے۔ سنگسار کرنے کے لیے حلقہ بنا کر پتھراؤ کیا گیا۔ جب وہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے تو ان کے جسموں پر تھوکا گیا۔ شام تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ رات بھر وہ کھلے میدان میں زخموں سے چُور چُور تڑپتے رہے۔ صبح انہیں گاڑیوں میں بٹھا کر بستی کے گلی کوچوں میں پریڈ کرائی گئی۔ انہیں رسوا اور ذلیل کیا گیا۔

یہ عربوں پر یہودیوں کے مظالم میں سے ایک واقعہ ہے جسے گوئے اُٹیوال نے تحریر کیا اور جو برطانوی اخبار "سنڈے ٹائمز" کی ۱۶ جون ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

دیر لیسین کے قتل عام سے پیشتر عرب بستی قفاحنہ کو دسمبر ۱۹۴۷ء میں، صعاصہ کو فروری ۱۹۴۸ء میں، سلامہ، بیراداس اور رکنانہ کو مارچ ۱۹۴۸ء میں اسی طرح قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔ ان ہی چند ماہ میں دوسری عرب بستیاں کاستل، لاجون، سارس، بتریاض حیفہ، جعفا، عکراہ نعرالدین اور کتامون میں عام تباہی و بربادی برپا کی گئی۔ کتامون شہر بیت المقدس کا ایک حصہ ہے جہاں عورتوں اور بچوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ انہیں بے گور و کفن کنوؤں میں ڈال کر اوپر سے پتھر اور مٹی بھر دی گئی۔

کہاں تک یہ ظلم و ستم بیان کیا جائے، کس کس خونچکاں تفصیل کو بتایا جائے۔ کس کس المیے کو دہرایا جائے یہ سفاکی اور بربریت کا ایسا طویل سلسلہ ہے جو فلسطین کی سرزمین پر لگ بھگ تیس سال سے جاری ہے۔ فلسطینیوں کی پوری ایک نسل ہے جو اس ظلم کی چھاؤں میں پیدا ہوئی، پروان چڑھی۔ وہ بھی کسی کے لخت جگر ہیں وہ بھی کسی کے نور نظر ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کو قتل ہوتے دیکھا۔ اپنی بہنوں کی عزتیں سر بازار نیلام ہوتی دیکھیں۔

لوگو! جو عرب سالہا سال سے بہیمت اور سفاکی کا نشانہ بن رہے ہیں وہ انسان ہیں۔ کتنی بار تمہاری آنکھیں اُن کے غم میں اشک بار ہوئیں، کتنی بار ان کے دُکھ سے تمہارے دل تڑپے، عالمی اولمپکس تمہارے لیے سرخوشی کا باعث ہیں، دل بستگی کا سامان ہیں۔ ان فدائین سے پوچھو جنہوں نے ظلم کی آغوش میں جنم لیا اور ظلم و تشدد ہی کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ ان کے لیے ہر کھیل موت کا کھیل ہے۔ جہاں بھی اسرائیلی موجود ہیں ان کے لیے ایسی ہر بستی موت کی بستی ہے خواہ وہ اولمپک بستی ہو یا کوئی اور۔ ان کے لیے ہر اسرائیلی اب ظلم کا سمبل بن چکا ہے اس لیے کہ اس کے خون میں فلسطینی عربوں کے قاتلوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ کوئی بھی یہودی جو اسرائیلی ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا وہ قاتلوں اور لٹیروں میں شامل ہے۔ وہ بے ضمیر ہے عربوں کے قتل عام میں اس کا ہاتھ بھی شامل ہے۔

الفتح

کوئی بھی انسانی قدر، کوئی بھی اخلاقی قدر یکطرفہ نہیں ہوتی جہاں ظلم ہو، بربریت ہو، سفاکی ہو وہاں تمام اخلاقی اقدار بدل جاتی ہیں۔ جو لوگ اسرائیلیوں کے غم میں دل گرفتہ ہیں، اشکبار ہیں وہ صرف اپنی سرد مہری اور بے حسی کی لاش پر ماتم کناں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ میونخ کے معرکہ میں جن فدائیوں نے حصہ لیا وہ دہشت پسند ہیں اور عربوں کی دہشت پسند تحریک "سیاہ ستمبر" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف دہشت پھیلانا ہے۔ یہ گمراہ کن تصوّر ہے۔ "سیاہ ستمبر" بھی تحریکِ قومی آزادیٔ فلسطین کا ایک حصہ ہے۔ یہ ان بارہ تنظیموں میں سے ایک ہے جو مختلف ناموں سے اس تحریک میں شریک ہیں ان سب کا نصب العین صرف اور صرف فلسطین کی آزادی اور اسرائیل کو اس کے سامراجی آقاؤں کے ساتھ اپنے وطن سے باہر نکالنا ہے۔

"بلیک ستمبر" دسمبر ۱۹۷۰ء کے قتل عام کے بعد قائم ہوئی یہ قتل عام والئ اُردن شاہ حسین کے حکم پر ان کی فوجوں نے کیا تھا اور اسی لیے آج شاہ حسین ان فدائین کے خلاف سخت برافروختہ ہیں۔ فدائین کی اس کارروائی کو دہشت پسندی قرار دینا انقلابی جدوجہد کے فلسفہ سے لاعلمی کی علامت ہے دہشت پسندی وہ ہوتی ہے جس کا سیاسی مقصد صرف اور صرف انتشار اور دہشت پھیلانا ہوتا ہے۔ اس کا رشتہ محنت کش عوام سے نہیں ہوتا۔ ایسی تنظیم مشرقی پاکستان میں "البدر" اور "الشمس" اور بھارت میں اس کا نام راشٹریہ سیوک سنگھ کہلاتی ہیں۔ ایسی دہشت پسند تنظیمیں عوام دشمن ہوتی ہیں وہ اپنی دہشت پسندی سے استحصال کرنے والے طبقات کے ہاتھ مضبوط کرتی ہیں۔ اس کے برعکس بلیک ستمبر ایسی تنظیم ہے جس کا رشتہ عرب عوام سے بہت گہرا ہے جس کی جدوجہد اور ہر کارروائی کا مقصد عرب عوام میں انقلابی شعور پیدا کرنا، عالمی رائے عامہ کے ضمیر کو بیدار کرنا اور فلسطین کو امریکی سامراج اور اس کے حاشیہ بردار اسرائیل سے آزاد کرانا ہے

اسرائیل نے واقعۂ میونخ کا انتقام لینے کے لیے شام اور لبنان کے خلاف جس فوجی کارروائی کا آغاز کیا ہے، وہ کھلی ہوئی جارحیت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اصل برہنہ جارحیت کے خلاف اسرائیلیوں کی موت پر نوحہ کناں حلقوں کا کیا ردِّ عمل ہوتا ہے۔ جہاں تک فلسطینیوں کا تعلق ہے اُن کے لیے یہ جارحیت نئی بات نہیں وہ چوتھائی صدی سے اس کے خلاف نبرد آزما ہیں اور اس وقت تک اپنی جدوجہد ہر انداز میں جاری رکھیں گے جب تک اسرائیل اور اس کی جارحیت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

احمد شرجیل

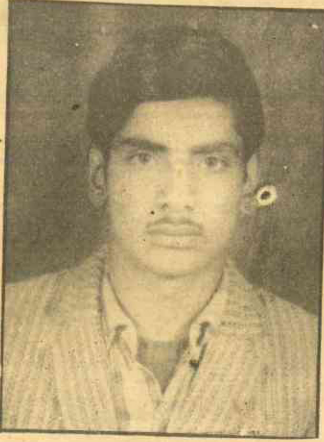
راہِ منزل

(میونخ میں حریت پسندوں کے معرکہ پر)

ایک مُدّت کے بعد پھر سے ملا
دلِ خوابیدہ میں نشانِ حیات
اور
حوادث کی تیرگی میں نہاں
چہرہ منزلِ جنوں
پھر سے روشن ہوا،
چمکنے لگا
دِلِ دیوانہ پھر سے چل نکلا
وصل و قربت کی خواہشیں لے کر
راہِ عشق و جنوں پہ دوبارہ
اور وہ راہ جس کا ہر ذرہ
ہر پتھر
اِک ایک گام پر
سحر سے شام
دل کا
جاں کا
خراج لیتا ہے

پردہ چاک

ایسو پاکستان فرٹلائزر کمپنی لمیٹڈ ڈھرکی



تحریر: فیض گھانگرو

پاکستان میں امریکی کمپنی
ایسو فرٹلائزر کی پُراسرار سرگرمیاں چیلنج بن گئیں

۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کی دوپہر تھی۔ ایسو پاکستان فرٹلائزر کمپنی لمیٹڈ کے افسر رابطہ مقیم سکھر مسٹر ظفر اقبال کو ایک سربمہر خط ملا۔ جس پر جلی الفاظ میں "انتہائی خفیہ" تحریر تھا۔ مسٹر ظفر اقبال نے خط کھولا۔ یہ ایسو پاکستان فرٹلائزر کمپنی دھرکی کے افسر تعلقات عامہ اور سیکورٹی افیسر مسٹر احسان محمد خان کا خط تھا جس میں انہوں نے طالب علم، مزدور، سیاسی اور کمیونسٹ رہنماؤں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ خط کا متن ملاحظہ کیجئے۔

ایسو پاکستان فرٹلائزر کمپنی لمیٹڈ — گرام۔ ایسوانگرو

دھرکی۔ ضلع سکھر — فون

مغربی پاکستان

خفیہ — دسمبر ۲۴، ۱۹۷۱ء

ڈیر ظفر

میں یہ پسند کروں گا کہ آپ خیرپور ڈویژن کی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں، کمیونسٹ اور طالب علم گروہوں کی تفصیلات تاریخ وار تیار کریں۔ اس سلسلے میں آپ ڈی۔ آئی۔ بی اسپیشل برانچ سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ یہ معلومات جلد از جلد منسلک کارڈز پر درج کریں۔ ازراہ کرم اس کام کی رفتار کی اطلاع دیتے رہیں۔

آپ اور آپ کے خاندان کے لئے بہترین تمناؤں کا ساتھ۔

آپ کا مخلص

احسان محمد خان

نوٹ:۔ اس خط کے ساتھ تیس ۳۰ کارڈ منسلک کر رہا ہوں ایک نمونہ بھی بھیج رہا ہوں۔ جس میں ایک خیالی کردار کی تفصیلات

'GRAMS, ESSOENGRO
'PHONE

CONFIDENTIAL

ESSO PAKISTAN FERTILIZER COMPANY LTD.
DAHARKI DISTT. SUKKUR
(W. PAKISTAN)

December 24, 1971

Dear Zafar,

I would like you to prepare a [illegible] in sufficient detail on the political parties leaders including Communist and Student groups of Khairpur division. You will be able to take help of the DIB/Special Branch in the matter. This I would like you to compile in quickest possible time on the Cards which I enclose herewith. Please keep me posted of the progress on this job.

With best wishes to you and the family

Yours sincerely
Ihsan Mohammad Khan

P.S
I am enclosing 30 cards along with one specimen filled up for a fictitious character.

ایسو پاکستان فرٹلائزر افسر تعلقات اور سیکوٹی افیسر احسان محمد کا خط، افسر رابطہ ظفر اقبال کے نام

درج تھیں۔

پورا نام　　　قادر داد خان

عرفیت　　　کالے خان

تاریخ پیدائش　　　۲۰، فروری ۱۹۲۲ء

جائے پیدائش　　　بٹالہ (مشرقی پنجاب)

موجودہ حیثیت　　　صدر این۔ ایس۔ ایف سکھر

کردار کی خوبیاں :۔ پکا کمیونسٹ، ہر دل عزیز، دو مرتبہ جیل جا چکا ہے۔

کردار کی کمزوریاں　　　بلیک میلر۔ ذرائع کم خرچ زیادہ عورت اور شراب کا رسیا۔

اس کے علاوہ ایک اور خط تھا جس پر مندرجہ ذیل معلومات فراہم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

زیڈ آئی ۔

۱:۔ سکھر کی سیاسی صورتِ حال جس میں درج ذیل حقائق ہوں۔

الف : کیا ہو رہا ہے۔

ب : کون کیا کر رہا ہے۔

ج : کب اور کیسے ۔

۲۔ ڈپٹی کمشنر۔ کون مقرر کیا جا رہا ہے اور کب تک اُس کی تقرری کے امکانات ہیں۔

۳۔ شراب کا پرمٹ

ظفر اقبال یہ خط پڑھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک صنعتی ادارے کو اس قسم کی معلومات کیوں درکار ہیں۔ اور کیا یہ غیر ملکی کمپنی اتنی با اثر ہے کہ اس کے سر دے میں حکومتی ادارہ ڈی۔ آئی۔ بی اسپیشل برانچ مدد اور تعاون کرے انہوں نے ملکی اور عوامی مفادات کے پیش نظر یہ معلومات فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً انہیں ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر ملکی کمپنیوں کو اتنی چھوٹ کیوں دی گئی ہے کہ وہ ایسی معلومات جمع کریں جن کا تعلق ملک کی سیاست سے ہے۔ دراصل ابتدا ہی سے پاکستان کے حکمران طبقے نے اپنے طبقاتی کردار کی وجہ سے وطن عزیز کو سامراجی ممالک کی گود میں ڈال دیا۔ سیاسی طور پر آزادی ملنے کے باوجود وطن عزیز کو معاشی طور پر سامراجیوں کی نوآبادی بنا دیا۔ حکمرانوں نے سامراجی ممالک کی اجارہ دار کمپنیوں کو دعوت دی کہ آؤ۔ اس ملک کے عوام، ذرائع پیداوار اور وسائلِ دولت کا استحصال کرو۔ لوٹ کھسوٹ کرو۔ اس ملک کی ہریالی لوٹ لو ہم تمہیں خصوصی مراعات دیں گے۔ ٹیکس کی چھوٹ دیں گے۔ تمہارے سرمائے اور مفادات کا تحفظ کیا جائے گا۔ دوسری جانب پاکستانی عوام کو مژدہ سنایا سنایا گیا کہ غیر ملکی سرمایہ کاری سے ملک کی صنعتی ترقی ہو گی۔ روزگار ملے گا۔ بھوک، افلاس اور غربت دور ہو گی۔

پاکستانی حکمرانوں کی دعوت پر سامراجی ممالک کی اجارہ دار کمپنیاں "ٹروجن ہارس" پر سوار ہو کر صنعتی ترقی کے لئے پاکستان میں در آئے۔ سرمایہ کاری کی اور پھر دولت کے دریاؤں کا رخ اپنے اپنے ملکوں کی طرف موڑ دیا۔ ان کمپنیوں نے آہستہ آہستہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح اپنا جال بچھایا۔ ملک کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی اور اپنے ملک کے لئے جاسوسی کرنے لگیں۔

ایسو پاکستان فلائزر کمپنی لمٹیڈ ڈھرکی امریکی کمپنی ہے۔ ابتداء ہی سے اس کا کردار اور سرگرمیاں فری میسن کی طرح پُراسرار رہی ہیں۔ اس ادارے کے محبِ وطن محنت کشوں نے تقریباً تین سال قبل حکومت پاکستان کی توجہ اس امر پر مبذول کرائی۔ یونین نے ایک اخباری بیان میں کمپنی کے ملک دشمن کردار کا پردہ چاک کیا لیکن اس زمانے میں وطن عزیز پر فوجی آمریت کی سیاہ رات مسلط تھی۔ یحییٰ خان اپنے سر پر چار ٹوپیاں سجائے کرسی اقتدار پر جلوہ افروز تھا اور سامراجی ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ چنانچہ حکومت نے کمپنی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی بجائے اُلٹا محنت کشوں کو قابل تعزیر گردانا۔ مارشل لا کے مختلف ضابطوں کے تحت یونین کے صدر نظام ملزج اور جنرل سیکرٹری پر مقدمات چلائے گئے اور انہیں پسِ زنداں ڈال دیا گیا۔ اس سے کمپنی کی انتظامیہ کی حوصلہ افزائی ہوتی اور اس نے کھل کر کام کرنا شروع کر دیا۔ اپنے ملازمین کو بھی اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی۔ مسٹر ظفر اقبال کے نام یہ خط اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مسٹر ظفر نے بھی فاقہ کشی اور بے روزگاری کو ملازمت پر فوقیت دی۔ لیکن نہ جانے کتنے لوگ محض ملازمت کی برطرفی کے خوف سے ملک دشمنی میں مصروف ہوں گے۔؟

E. P. F. C. L. - DAHARKI

PERSONAL RECORD CARD

FILE NO. ______

FULL NAME Qadir Dad Khan　ALIAS Kale Khan

DATE OF BIRTH Feb 20, 1922　PLACE OF BIRTH Batala (East Punjab)

DATE OF JOINING SERVICE —　CURRENT POSITION President, NSF Sukkur

LOCAL ADDRESS ______　PERMANENT ADDRESS ______

PHOTO

DESCRIPTION ______　PREVIOUS SERVICE ______

LIST OF CLOSE CONTACTS

1.
2.
3.
4.

STRONG POINTS Staunch Communist - very popular - has been in jail twice

WEAK POINT A blackmailer, lives beyond means, fond of wine & women.

ACTIVITIES

نمونہ کا کارڈ جو مسٹر ظفر اقبال کو بھیجا گیا۔

سیاسی اور طالبعلم رہنماؤں کے متعلق خفیہ معلومات حاصل کی جا رہی ہیں

Z.I.

1. Political situation of Sukkur covering the following:
   a. What is happening
   b. Who is doing
   c. When & how

2. DC - who is posted & when is he likely to be posted.

3. Liquor Permit -

4.

احسان محمد خان کے ایک اور خط کا عکس

الفتح



ہم لوگ

ضیاء سرحدی کی یادداشتیں ——— (۱۳)



کمار کو ہدایات دیتے ہوئے میں جھجک محسوس کرتا تھا



مینا کماری

میں اس رہگذر پر اپنے فن کا درد لے کر مینا کماری کے ساتھ گذرا تھا

ممتاز فلم ساز و ہدایتکار ضیاء سرحدی نے الفتح کے لئے لکھا

طویل عرصہ کے بعد اپنی یادداشتیں قلمبند کرنے کے لئے میں اپنے منتشر خیالات کو پھر سے اکٹھا کرنے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔ اور بقول غالب۔

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

آخری قسط آٹھ یا نو ماہ پہلے لکھی گئی تھی اور اس کے بعد اس سلسلہ میں مجھ پر ایک طویل خاموشی طاری رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ احباب اور قارئین جو میری فلمی سرگذشت میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ کیا سوچنے لگے ہوں گے۔ اُدھر الفتح دوست بھی میری اس خاموشی کو شاید پہلو تہی یا دل برداشتگی کا نام دینے لگ گئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صورت اُن حالات کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ جو میرے بس کے نہیں تھے۔ ان میں ایک ہند کی جنگ۔ اس کے المناک نتائج اور پھر ان کا دیرپا اور فکر انگیز ردِ عمل بھی خاصی حد تک میری خاموشی کے سبب ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ ان حالات نے دل و دماغ دونوں کو کچھ اس طرح مفلوج کر کے چھوڑ دیا تھا کہ کچھ لکھنا تو در کنار سوچنے کی خواہش تک ناپید ہو چکی تھی۔ اس کے بعد یہ گھٹا ٹوپ اندھیرے جب رفتہ رفتہ چھٹنے لگے۔ اور جذبات کی جگہ جب حقیقت پسندانہ سوچ لینے لگی اور آنکھوں سے پردے اٹھنے لگے تو دوسرے غموں نے یورش کر دی، اور ان کی طرف بھی توجہ دینا پڑ گئی۔ اور پھر یہ غم در غم کا سلسلہ چلتا ہی رہا۔ ان غمہائے دورِ گذرای کی تفصیل کس طرح بیان کی جائے؟ بہتر ہوگا کہ میں پھر غالب کا سہارا لے کر اسی صورت حال کو بیان کروں اور وہ یوں کہ۔

غم اگرچہ جاں گسل ہے پر کہیں بچیں کہ دل ہے
غم عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا!

ان تاریک ایام کے مختلف الم انگیز پہلو کچھ ایسے جاں سوز ہیں کہ ان کو دہرانے اور بیان کرنے کی سکت نہ زبان میں ہے۔ نہ دل میں اور نہ قلم میں ہے۔ تاہم ان میں ایک غم ایسا ضرور ہے کہ جس کو بیان کرتے ہی، دل کے کروڑوں ٹکڑے ہو جانے کا ڈر بھی اگر لاحق ہو تو میں یہ سودا قبول کر لوں گا۔ یہ غم اگرچہ بظاہر واحد میرا غم نہیں ہے۔ اس کے شریک شاید لاکھوں دوسرے انسان بھی ہوں گے مگر یا میں اس غم کو ہی، جائز طور پر اپنا واحد غم بھی کہہ سکتا ہوں۔

آپ سب جانتے ہوں گے کہ کچھ دن ہوئے ہندوستان کی شمع مزاج۔ اور عظیم فن کارہ۔ مینا کماری نے موت

مجھے یاد نہیں

کہ روسی ہدایت کار پوروکن

کی انقلابی فلم

ماں، کتنی بار دیکھی۔

کو زندگی پر ترجیح دیدی اور دیکھتے دیکھتے یہ شمع بجھ گئی۔

اس چراغ کے بجھنے سے، نہ صرف ہندوستان کی صنعت فلم سے اک روشنی چھن گئی، بلکہ اس سے اور بھی بہت کچھ تاریک ہو گیا۔

یہ بھی درست ہے کہ

ستارے ٹوٹتے ہیں انجمستاں پھر بھی رہتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ صورت بھی۔ یہ سوچ بھی تو حقیقت کے مترادف ہے کہ دنیا کے ایسے تمام نامہرباں حقائق کے باوجود بعض ستاروں کے ٹوٹ جانے سے وہ خلا کبھی نہیں بھرتے جو ان کے نہ ہونے سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ انجمستان تو رہتا ہے مگر اس کی صورت بدلی بدلی ہوئی سی ضرور ہوتی ہے۔

مینا کماری کے ساتھ، مجھ کو ڈیڑھ سال تک کام کرنے کا ناقابل فراموش اتفاق ہوا۔ اس حسین ترین اتفاق کا سامنا مجھ کو معلوم ہے کہ اب کبھی نہیں ہوگا۔ وہ رہ گذر، جس پر سے میں اپنے فن کے درد لے کر، مینا کے ہمراہ گذرا تھا۔ اس پر سے اب میرا گذر کبھی نہیں ہوگا۔ وہ رہ گذر ماضی کے گہرے اور المناک کہرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا وہ رہ گذر۔ میرا وہ فلم فٹ پاتھ۔ جس میں مینا میری شریک فن تھی چند بجھے بجھے ہوئے سے مٹے مٹے ہوئے سے۔ نقش کا ایک المیہ ہے۔ اور اس کے سوا اب کچھ نہیں۔

مینا کی زندگی۔ اس کے خلوص۔ اس کی فنی عظمت اس کے غم پرورده دل۔ اس کی مترنم خاموشیوں۔ اس کی الم انگیز نگاہ کاریوں۔ اور اس کے اشک آفریں تبسم کی داستان۔ چند الفاظ۔ چند مضامین۔ بلکہ کتابوں کی شکل میں بھی پیش کرنے سے اس کے واقعات زندگی جاننے کی تشنگی کو دور نہیں کر سکتے۔ تاہم اس المیہ کو، اس درد انگیز غزل کو میرا دل تو ضرور چھیڑے گا۔ اور جب یہ غزل چھیڑ دی جائے گی تو مجھے یہ کہنا پڑے گا۔

غزل اس نے چھیڑی، مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

عمر رفتہ کی طرف بعض اوقات لوٹ جانا بھی لازم ہوتا ہے۔ بہت سے پرانے چراغوں سے آئندہ کی شعاعیں ملتی ہیں۔ لیکن، زیر تحریر سرگذشت کے ترتیبی تقاضوں کے پیش نظر اسی قسط میں، میں اس غزل کو نہیں چھیڑ سکتا۔ اپنی یادداشتوں کی جس منزل پر میں اس وقت کھڑا ہوں۔ اور جس دور سے متعلق میں یہ قسط پیش کر رہا ہوں۔ وہ مینا کے ساتھ کام کرنے کے ایام سے بہت پہلے کا دور ہے۔ یقین جانئے کہ یہ انداز سادگی، اس وقت میرے لبوں پہ بار بار یہ دعا آ رہی ہے کہ کاش یہ حقیقت ہو۔ اور میں یہ یقین کر لوں کہ مینا سے ملنے کا وقت ابھی آنے والا ہے اور وہ ہنوز زندہ ہے۔ نظریں جھکائے ہوئے، خاموشیوں میں لپٹے ہوئے۔ کچھ ہی دیر میں وہ میرے "سیٹ" پر نمودار ہوگی اور ساری فضا کو حسب معمول حسین ترین اور مرغوب ترین رازوں سے معمور کر دے گی۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اب یہ ایک محض خواب و خیال کی بات ہے سپنوں کی بات۔ مگر سپنے بھی اب کیونکر آئیں گے۔ پھر غالب کی زبان میں کہنا پڑے گا۔

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
دے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے

تو یہ صورت حال رہی ہے اور اسی وجہ سے مجھ کو خاموشیوں میں بے لبس ہو کر ڈوب جانا پڑا۔

تاہم یہ رہی نئی قسط۔

اپنی یادداشتوں کی آخری قسط میں آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ایک ڈاکیہ کی حسرتوں کا ذکر کیا تھا۔ خاص طور پر اس کی اس حسرت کا ذکر جو لفظوں کی صورت میں اس کے نیم مردہ۔ اور سوکھے پتوں کا خیال دلانے والے ہونٹوں سے ٹپکی تھی۔ اور پھر ڈاکیہ کی اسی حسرت کو میں نے اپنے نئے فلم کا نفس مضمون بنا لیا تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ اس فلم کا نام "پوسٹ مین" رکھا گیا تھا۔ شروع ہونے کے بعد اس فلم کی ساخت پرداخت چھ ماہ تک جاری رہی۔ اور اس کی تیاری کے ایام میں بالواسطہ اور عملی طور پر مجھ کو ہدایت کاری، عکاسی اور تدوین وغیرہ سے متعلق بہت سی باتوں کا تجربہ ہوا۔ میرے اس فلم کے پرنسپل فن کار، مشہور ادکار، کمار، یعقوب اور ساگر مووی ٹون کی، نوشگفتہ فن کارہ، مایا بینرجی تھے۔ مایا ہنوز نوآموز تھی۔ لیکن کمار اور یعقوب اس دور کے معیار اور تقاضوں کے لحاظ سے بہت ہی منجھے ہوئے۔ اور پختہ کار اداکار سمجھے جاتے تھے۔ بالخصوص کمار، جس کی فلمی زندگی کا آغاز ہی عظیم ہدایت کار "دیو کی بوس" کے فلم پورن بھگت سے ہوا تھا۔ اداکاری کے ایک سنجیدہ اور شائستہ مکتب فکر سے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں



ضیاء سرحدی مینا کماری کو ہدایات دے رہے ہیں



ضیاء سرحدی اور مینا کماری



محنت کش عوام

اپنے خلاف دستوری سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں گے

احسان عظیم صدیقی

قیام پاکستان کے ۲۵ سال گزرنے کے بعد پھر قومی اسمبلی ایک قابل عمل اور پائیدار دستور کی تدوین میں مصروف ہے۔

دستور سازی کے سلسلہ میں ماضی میں بھی متعدد کوششیں کی گئیں اور ۲۵ سال کے وقفہ میں ملک میں چار دساتیر پر عمل کیا گیا۔ لیکن حقائق نے ثابت کیا کہ ماضی کے تمام دساتیر عوام کی خواہشات، ضروریات اور مفادات کے مطابق نہیں بلکہ چند محدود گروہوں کے مفادات کے پیش نظر انہیں وضع کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج ردّی کا ٹکڑا بن گئے۔

ماضی کے [illegible] کے پیش نظر ہی صدر مملکت جناب بھٹو نے ۱۴ اگست ۷۲ء کو اسمبلی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے عوام کی عظیم تر اکثریت کی خواہشات، ضروریات اور مفادات کے مطابق ایسے دستور کی تدوین پر زور دیا جس کے تحت عوام کی عظیم تر اکثریت موثر مملکت میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے سکے۔

دستور ساز اسمبلی کے اراکین کو یقیناً یہ یاد ہو گا کہ ۱۹۷۰ء کی انتخابی سرگرمیوں کے دوران بنیادی طور پر دو دھارے انتخاب کا موضوع تھے۔ اوّل ذاتی ملکیت کا موجودہ معاشی نظام جس کا سیاسی ڈھانچہ مضبوط مرکز اور محدود جمہوریت جس میں صرف ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت رکھنے والے محدود گروہوں کی سیاسی بالادستی اور محنت کش عوام کی محکومی اور دوسرا دھارا ذاتی ملکیت کا خاتمہ ملک کی پانچوں قوموں کے حق خود اختیاری کی بنیاد پر مکمل داخلی خود مختاری اور محنت کش عوام کی بھاری اکثریت کے سیاسی حقوق کا حصول شامل تھا۔ نظریاتی طور پر دونوں دھارے بالترتیب نظریہ پاکستان اور سوشلزم کے نام سے مقابل آئے۔ ذاتی ملکیت کے موجودہ استحصالی نظام کے علمبردار نظریۂ پاکستان کے نام پر جماعت اسلامی، جمعیت اہل سنت، کونسل مسلم لیگ، کنونشن مسلم لیگ، قیوم مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی، تحریک استقلال وغیرہ صف آراء ہوئیں جب کہ ذاتی ملکیت کے موجودہ استحصالی نظام کے خاتمہ اور عوامی جمہوریت اور سوشلزم کے نام پر پاکستان پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ اور جمعیت علمائے اسلام صف آراء ہوئیں۔

ہر دو فریقین نے عوام کے سامنے اپنا موقف پیش کیا اور گو کہ عوام کی کم علمی کی بناء پر موجودہ استحصالی نظام کے حامیوں کے لئے مذہبی جذبات ابھارنے کا پورا موقعہ تھا جسے کفر کے فتوے کے ذریعے بھرپور طریقے پر آگے بھی بڑھایا۔ اس کے علاوہ حکومت میں موجودہ وزراء مثلاً جنرل شیر علی خان، نواب مظفر علی قزلباش وغیرہ نے بھرپور طور پر نظریۂ اسلام کے حامی گروہوں اور جماعتوں کی سرکاری طور پر بھرپور پیدا کی۔ لیکن ملک بھر کے عوام کی بھاری اکثریت نے ملک کے پانچوں صوبوں اور قومی وحدتوں میں موجودہ نظام کے علمبرداروں کو بھاری اکثریت سے رد اور استحصال کے موجودہ نظام کے خاتمہ کے اور سوشلزم کی حامی جماعتوں کو منتخب کر کے اپنی اس خواہش کا واضح اظہار کیا کہ وہ موجودہ استحصالی نظام، اس کی معیشت، اس کی سیاست اور اس کے نظریہ کو رد کرتے ہیں اور سوشلزم کی بنیاد پر ایسی عوامی جمہوریت کے حق میں ہیں، جس میں زمینداری نظام کا خاتمہ، سامراجی تسلط سے آزادی، قومی استحصال ختم کر کے ملک کی تمام قوموں کو حق خود اختیاری کی بنیاد پر مساوی قومی حقوق حاصل ہوں۔

پیداواری وسائل عوام کے مفاد میں اس طرح اجتماعی ملکیت میں استعمال کئے جائیں کہ ہر فرد کو روزگار، مادری زبان میں اعلیٰ سطح تک مفت تعلیم مکمل اور مفت علاج معالجہ۔ بڑھاپا اور لاوارثی کی صورت میں ضروریات زندگی کی فراہمی اور قومی اور ملکی دفاع کے لئے مسلح ہونے کی ضمانت حاصل ہو۔ سیاسی طور پر ایسا سیاسی ڈھانچہ

الفتح

وضع کیا جائے۔ جس میں ملک کی تمام قوموں کو حق خود اختیاری کے تسلیم شدہ اصولوں کے مطابق اپنی مخصوص جغرافیائی حدود میں معاشی سیاسی اور ثقافتی خوشحالی، آزادی اور ترقی کرنے، سیاسی ادارے اور سیاسی ڈھانچے قائم کرنے، مردم شماری کے لحاظ سے تمام طبقات مثلاً مزدوروں، کسانوں، درمیانہ چھوٹے تاجروں وغیرہ کو طبقاتی اور پیشہ ورانہ نمائندگی، نمائندہ بننے، منتخب کرنے اور عدم اعتماد کے ذریعہ ہٹانے اور ۱۸ سال کی عمر کو تسلیم کرتے ہوئے براہ راست بالغ رائے دہندگی کے حقوق حاصل ہوں۔

سیاسی حقوق سے مستفید ہونے کے لئے تحریر، تقریر، نشر و اشاعت، پروپیگنڈہ کے ذریعہ خیالات کے اظہار، جلسہ، جلوس ہڑتال جیسے اجتماعی اقدامات کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنے، طبقاتی اور سیاسی تنظیمیں قائم کرنے، تحریکیں چلانے، حکومت پر تنقید کرنے اور اسے تبدیل کرنے اور ضمیر کی آزادیوں کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

ریاست کی بنیاد اور ڈھانچے کی تبدیلی کے سلسلے میں عوام کی خواہش کی تصدیق، ۱۹۷۰ء کے قومی اسمبلی کے انتخابی نتائج سے بخوبی ہوتی ہے۔ جو مندرجہ ذیل گوشوارے سے ظاہر ہوتا ہے۔

ماضی کے دساتیر سرمایہ داری اور جاگیرداری کو برقرار رکھنے کے لئے مسلّط کئے گئے

اسلام پسند گروہ		سوشلزم کے حامی	
۱۔ قیوم لیگ	۹	۱۔ عوامی لیگ	۱۶۸
۲۔ کونسل مسلم لیگ	۷	۲۔ پاکستان پیپلز پارٹی	۸۸
۳۔ جمعیت اہل سنت	۷	۳۔ نیشنل عوامی پارٹی	۷
۴۔ کنونشن مسلم لیگ	۳	۴۔ جمعیت علمائے اسلام	۷
۵۔ پاکستان جمہوری پارٹی	۱	۵۔ آزاد ارکان جو پیپلز پارٹی کی تائید کرتے ہیں۔	۸
۶۔ جماعت اسلامی	۴		
۷۔ آزاد ارکان مخالف گروپ	۸		
	۳۹		۲۷۸

اگر بنگال کو الگ رکھ کر صرف مغربی بازو کے چاروں صوبوں کے منتخب ارکان کو دیکھا جائے تو بھی صورت حال یہ ہے۔

اسلام پسند گروہ		سوشلزم کے حامی	
۱۔ قیوم لیگ	۹	۱۔ پیپلز پارٹی	۸۸
۲۔ کونسل لیگ	۷	۲۔ جمعیت علمائے اسلام	۷
۳۔ جمعیت اہل سنت	۷	۳۔ نیشنل عوامی پارٹی	۶
۴۔ کنونشن لیگ	۳	۴۔ آزاد ارکان	۸
۵۔ جماعت اسلامی	۴		
۶۔ آزاد ارکان	۸		
	۳۸		۱۰۹

انتخابی نتائج اس بات کے شاہد ہیں کہ سماج کے دو تہائی سے زائد اور مجموعی آبادی کا تقریباً ۸۰ فی صد حصہ موجودہ معاشی استحصال سیاسی جبر و تشدد اور ثقافتی پس ماندگی کے خاتمے کے حق میں ہیں۔

جہاں تک ملک اور اس کے عوام کی ضروریات کا تعلق ہے صورت حال یہ ہے کہ ملک کی ستّر فی صد آبادی دیہاتوں میں زراعت سے وابستہ ہے۔ زراعتی زمین کا تقریباً ۸۰ فی صد رقبہ چند ہزار بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہے۔ ہاریوں کی اکثریت خون پسینے کی محنت کے باوجود اپنی پیداوار سے مستفید ہونے سے محروم ہے ملک کی آمدنی کا تقریباً چالیس فی صد حصّہ صنعتی شعبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ صنعتی شعبہ سے ملکی آبادی کا تقریباً ۲۰ فی صد حصّہ وابستہ ہے لیکن یہاں بھی نوّے فی صد کے قریب پیداواری وسائل نجی ملکیت میں چند خاندانوں کے قبضہ میں ہیں۔ مزدوری کرنے والے اور ملازمین آج بھی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے محروم ہیں۔

مجموعی طور پر ملک کے نوّے فی صد محنت کش وسائل پیداوار سے محروم، رات دن کی شدید محنت کے باوجود بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہیں۔ ان کی ذہنی، جسمانی اور تخلیقی صلاحیتیں ملک کے پانچ فی صد بڑے زمینداروں، سرمایہ داروں اور افسر شاہی کے ہاتھوں دبائی گئی ہیں۔ روزگار کی ضمانت نہ ہونے کے نتیجہ میں زرعی زمینوں سے بے دخلی اور کارخانوں سے برطرفی روز کا معمول ہے خود رو اور نجی ملکیت کی معیشت کی وجہ سے ملکی اور قومی ضروریات کی تکمیل کی گنجائش نہیں۔ نتیجہ کے طور پر معاشی ناہمواری بھیانک صورت اختیار کر چکی ہے۔ ناہموار اور غیر منصوبہ بند ذاتی گروہی مفاد پر مشتمل معاشی بنیاد کی وجہ سے قومی خود کفالت کے بجائے غیر ملکی انحصار اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ سامراجی قرضے امداد اور پابند تجارت کی وجہ سے سامراجی دباؤ اس قدر شدید ہو چکا ہے کہ ملک کی آزادی خود مختاری اور قومی وقار سامراجی شکنجے میں ہے۔

مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت اور قبضہ بنگلہ دیش کی تسلیم شدگی کے لئے دباؤ حالیہ صحت پالیسی کی منسوخی کے لئے دباؤ سامراجی تسلّط کی واضح ترین مثالیں ہیں۔

پچیس سال کے سیاسی جبر و تشدد کے نتیجہ میں عوام کی قومی امنگ، حوصلہ اور حریّت پسندی شدید مجروح ہو گئی ہے۔ عوام خصوصاً محنت کش عوام اور درمیانہ طبقے کے افراد میں مایوسی اور گھٹن حالات جس کا اظہار ان کی ملکی معاملات سے عدم دلچسپی اور بنیادی مسائل کے مقابلے میں سطحی اور جذباتی پر خود رویت کے ذریعہ روز کا معمول ہے۔ مادری زبان میں ذریعہ تعلیم اور تعلیم کے مفت اور عام نہ ہونے کے نتیجہ میں عوام کی اسّی فی صد سے زائد اکثریت اوہام پرستی اور پسماندگی کا شکار ہے۔ مادری زبان کے بجائے انگریزی زبان کی تجارتی تعلیم غیر معیاری اور فرسودہ تعلیمی نصاب کے ذریعہ علم کو محدود رکھا گیا ہے۔ غیر ملکی زبان اور ثقافت کے ذریعہ تاریخی ورثہ نوجوان نسل الگ تھلگ اور ہپّی ازم قسم کے تصوّرات کے ذریعہ فراریت کی طرف گامزن ہے۔

گو کہ ملک کی اکثریت یعنی ۹۰ فی صد عوام بنیادی طور پر محنت کش ہیں لیکن طبقاتی اور پیشہ ورانہ نمائندگی نہ ہونے کے نتیجہ میں نہ تو وہ براہِ راست نمائندے بن سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے حقیقی نمائندے منتخب کر سکتے ہیں عوامی نمائندگی کے نام پر مٹھی بھر سرمایہ دار۔ زمیندار اور ان کے نمائندے ہی منتخب کئے جا سکتے ہیں پھر ان نمائندوں کا حقِ قانون سازی بھی محدود ہے۔ ملک میں رائج بیشتر قوانین خود افسر شاہی (انتظامیہ) وضع کرتی ہے اور ان قوانین کے تحت خود ہی با اختیار منتی ہے۔ اور اسی کو عمل بھی کرنا

عدلیہ ہمیشہ انتظامیہ کے سامنے بے بس رہی ہے

ہوتا ہے اِس لئے انتظامیہ کے ہاتھ اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ کسی تعلقہ کا انتظامی افسر یا کسی تھانہ کا پولیس افسر قومی اسمبلی کے ممبر تو بڑی چیز، وزرا بھی ان کے اختیار اور حیثیت کے سامنے بے بس ہیں۔ عدلیہ انتظامیہ کے قانون سازی کے اختیار کے نتیجہ میں محدود اور بے بس ہے۔ انتظامی افسران کے ہاتھ میں سزا اور جزا بھی دے دی گئی ہے۔

جس کے نتیجہ میں ظلم، زیادتی ——— اور بدعنوانی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ انتظامی افسران کی بدعنوانی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ انتہائی محدود پیمانے پر اسکریننگ کے باوجود چودہ سال کے قلیل عرصہ میں اسکریننگوں میں تین ہزار سے زائد ملازمین کو حکومت نے برطرف کیا۔ اگر عوامی سطح پر ان کی بدعنوانیوں کی جانچ کی جاتی تو گنے چُنے چند افراد کے علاوہ کوئی بھی ملازمت میں رہنے کے لائق نہ نکلتا۔ مذکورہ بالا معاشی، سیاسی، ثقافتی اور انتظامی خرابیوں کے نتیجے میں عوام کی حریت پسندی، قومی امنگ، خود انحصاری، کٹھن جدوجہد کا جذبہ متاثر ہے اور ملک معاشی طور پر غریب، سیاسی طور پر خود رویت اور پس روئی ثقافتی طور پر پسماندہ اور سامراج کے معاشی اور سیاسی دباؤ کا شکار ہے۔

ملک کو حقیقی معنوں میں آزاد، خود مختار، خوش حال اور عوامی جمہوری بنیادوں پر ترقی یافتہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دستور کے ذریعہ۔

۱:۔ زمیسنداری نظام کا خاتمہ۔

۲:۔ عالمی سرمایہ داری یعنی سامراجیت کی مخالفت۔

۳:۔ سامراجیوں اور سوشل سامراجیوں سے غیر مساوی تعلقات کا خاتمہ۔

۴:۔ قومی اور ملکی بنیاد پر سرمایہ داری کی بیخ کنی۔

۵:۔ جاگیرداری اور نوآبادیاتی ثقافت کی بیخ کنی کے ذریعے روزگار، مادری زبان میں مفت تعلیم، مکمل اور مُفت علاج معالجہ اور ملک کے دفاع اور عوام کے مفاد میں مسلح ہونے کی ضمانتوں کے علاوہ تحریر و تقریر۔ نشر و اشاعت، پروپیگنڈہ کے ذریعے اظہار خیال، جلسہ جلوس ہڑتال اور مظاہرے کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنے، طبقاتی اور سیاسی تنظیمیں قائم کرنے اور تحریکیں چلانے حکومت پر تنقید اور اسے عدم اعتماد کے ذریعے تبدیل کرنے اور ضمیر کے مطابق زندہ رہنے کی سیاسی آزادی کے ساتھ قومی بنیاد پر ریاست قائم کرنے، حق خود اختیاری کی بنیاد پر سیاسی ادارے اور ڈھانچے قائم کرنے۔ مردم شماری کے لحاظ سے ہر طبقہ اور پیشہ کی نمائندگی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر اٹھارہ سال کی عمر میں نمائندہ منتخب کرنے اور اکتیس سال کی عمر میں نمائندہ بننے کے حقوق تسلیم کئے جانے ضروری ہیں۔

گزشتہ پچیس ۲۵ سال سے قومی زبانوں اور سرکاری زبان کے تعین کا مسئلہ بھی متنازعہ ہے۔ دستور کے ذریعہ زبان کا مسئلہ بھی منصفانہ بنیاد پر عوام کی خواہشات کے مطابق قطعی اور ہمیشہ کے لئے حل کیا جانا چاہیئے۔ اِس ضمن میں ملک کی قوموں کے حق خود اختیاری کو تسلیم کرتے ہوئے سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو کو قومی زبانیں تسلیم کر کے قومی حقوق تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ چونکہ پاکستان کثیر قومیتی ریاست ہے۔ اور مختلف قوموں کے درمیان رابطے کے لئے کسی ایسی زبان کی ضرورت ہے جو چاروں قوموں کی اکثریت سمجھ سکے۔ پاکستان کے مخصوص حالات میں چونکہ اردو کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ وہ چاروں قوموں کے درمیان یکساں طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے اردو کو رابطے کی زبان کی حیثیت دی جانی چاہیئے۔

مذکورہ مسائل کے دستور میں واضح فیصلے کے ذریعے ہی ایک پائیدار اور جامعہ دستور بنایا جا سکتا اور عوام کو متحرک اور مؤثر شرکت کے لائق بنایا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر تدوین دستور بھی ماضی کے دساتیر کی مانند آثار قدیمہ کا حصہ بنے گا۔

وہ ۵۷ ہزار روپے والدین کو واپس کر چکا ہے

منظور حسین بدی کے گھپ اندھیرے میں نیکی کے چراغ جلا رہا ہے

نعیم آروی



منظور حسین نے ان بچوں کو بمعہ رقم والدین کے حوالے کر دیا

۱۹۶۷ء کا زمانہ ہے۔

کراچی کینٹ پر چناب ایکسپریس آکر ٹھہری، ایک بوگی سے دو اسکول کے لڑکے نکلے۔ کتابوں کے بستے ان کے کندھوں سے لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے پتا چل رہا تھا کہ دونوں گھر سے بھاگ کر آئے ہیں۔ سہمے سہمے اور پریشان تھے۔ پلیٹ فارم پر اِدھر سے اُدھر بار بار چکر لگا رہے تھے۔ ان کے پاس ٹکٹ نہیں تھا اور وہ چیکر کی نگاہوں سے بچکر باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔

پلیٹ فارم پر ایک دبلا پتلا سفید رنگت کا ایک نوجوان بڑی گہری نظروں سے ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے تاڑ لیا کہ یہ دونوں لڑکے بھگوڑے ہیں اور اپنے گھر میں ماں باپ کو بلکتا ہوا چھوڑ کر کراچی پہنچ گئے ہیں۔ دونوں لڑکے بالآخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے تو جوان آدمی ان کے پاس پہنچ گیا اور ان سے ان کا نام اور پتا دریافت کیا۔ دونوں لڑکے گھبرا گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے سب کچھ اُگل دیا۔ ان میں سے ایک لڑکے کا نام پیٹر اور دوسرے کا نام جوزف تھا۔ دونوں عیسائی تھے لائلپور پیپلز کالونی کے رہنے والے تھے۔ پڑھنے لکھنے سے جی چراتے تھے، گھر میں مار پڑی تو کراچی نکل بھاگے۔ نوجوان آدمی نے انہیں دلاسہ دیا، سمجھایا بجھایا اور انہیں گھر واپس چلنے پر راضی کر لیا۔ پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے ادارے کے لوگوں سے ملا اور ان سے ریل کا کرایہ مانگا مگر ادارے والوں نے کرایہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا۔ "اگر تم انہیں ان کے گھر چھوڑنا چاہتے ہو تو اپنے ذرائع تلاش کرو۔ ہمارے پاس فالتو پیسہ نہیں ہے"۔

نوجوان آدمی کی زندگی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ مگر سر میں خدمت خلق کا سودا سمایا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ بلاٹکٹ دونوں لڑکوں کے ساتھ ریل میں سوار ہو گیا۔ "اللہ مالک ہے دیکھا جائے گا"۔ راستے میں اس کی جان پہچان کے بے شمار لوگ ملے جو اسے طعنہ دیتے رہے۔ "بیٹے اس دھندے میں نئے نئے پھنسے ہو، اس کا انجام دیکھنا"۔ نوجوان آدمی خاصہ پریشان ہوا کہ آخر لوگ اس نیک کام کے خلاف کیوں ہیں۔ لوگ میری ہمت بڑھانے کی بجائے مجھے انجام سے ڈرا رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ آئندہ پیش آنے والے حالات اور تجربات نے اس گتھی کو بھی سلجھا دیا۔ اسے اس "کیوں" کا جواب مل گیا۔ نوجوان آدمی راستے بھر مسافروں اور ٹکٹ چیکروں کی جھڑکیاں اور گالیاں سنتا رہا مگر وہ ڈگمگایا نہیں اور دونوں لڑکوں کو ان کے ماں باپ سے ملا کر کراچی واپس لوٹا۔

خدمت خلق کے جذبے سے سرشار اس نوجوان آدمی کا نام منظور حسین ہے، ادارہ خدمت خلق (رجسٹرڈ) راولپنڈی کا ایک ایسا رضاکار ہے جو اپنی خدمات کا معاوضہ نہیں لیتا۔ والدین اسے خوش ہو کر جو دے دیتے ہیں اسی پر گزارہ کرتا ہے۔

منظور حسین نے بتایا، جعلی اداروں کے پیشہ ور قسم کے رضاکاروں نے اس مقدس فرض کو بدنام کر دیا ہے اچھے اور بُرے کی تمیز مٹ گئی ہے۔ نیک جذبے سے کام کرنے والے کی نیت پر بھی شبہ کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کیا۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ لوگوں کی بات تو علیحدہ رہی بعض اوقات قانون کے محافظ بھی اچھے بُرے کی تمیز نہیں کرتے۔ اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ وہ ملتان اسٹیشن سے دو بھگوڑے لڑکوں کو اپنے ساتھ لے کر ریل میں سوار ہوا۔ گاڑی خانپور اسٹیشن پر رُکی تو پولیس والوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور اس پر جیب تراشی کا الزام لگایا۔ اس نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا۔ انہیں اپنا شناخت نامہ اور تصدیق نامہ دکھایا۔ مگر پولیس والوں کو اس پر اعتبار نہ آیا۔ اور اسے لڑکوں کے ساتھ پکڑ کر تھانے لے گئے۔ وہاں اُسے گھنٹوں پریشان کیا گیا۔ اس نے احتجاج کیا تو ایک سپاہی نے بڑھ کر اس کے منہ پر تین چار طمانچے جڑ دیئے۔ منظور حسین کا کہنا ہے کہ وہ جھنگ تک روتا ہوا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس میں خدمت خلق کا جذبہ مزید بڑھ گیا اور اس کا عزم پختہ ہو گیا۔ وہ اس اندھیرے میں بے لوث خدمت اور نیکی کا چراغ ہر قیمت پر روشن کرے گا۔

منظور حسین کیا تھا اور کیا بن گیا

منظور حسین کراچی میں "رگبی سوڈا واٹر کمپنی" میں آئس وینڈر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ چنیوٹ میں اس کے والدین اور بھائی موجود تھے۔ وہ اپنے والدین سے بےپناہ محبت کرتا اور ان کی خدمت کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اسی دوران اس کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ محبت کرنے والے ماں باپ کی اچانک جدائی سے اس پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ دنیا سونی سونی لگنے لگی۔ والدین کی موت کے بعد بھائیوں کے برتاؤ میں بھی سرد مہری پیدا ہو گئی۔ اس کے لئے یہ دوسرا جانکاہ حادثہ تھا۔ محبت کرنے والے ہی نہ رہے تو پھر دنیا میں کیا رکھا ہے۔ اس کا دل اُچاٹ ہو گیا۔ اس نے ملازمت چھوڑ کر کوئی ایسا کارنامہ انجام دینا چاہا جس سے اس کا نام روشن رہے اور لوگ ہمیشہ اسے محبت اور عقیدت سے یاد رکھیں۔ اس نے ملازمت چھوڑ کر خدمت خلق کا سہارا لیا۔ اس دوران اسے ایسے کئی اداروں کا تجربہ ہوا جو خدمت خلق کی آڑ میں دولت بٹورنے میں مصروف تھے۔ ہر ادارے کے خود ساختہ قواعد و ضوابط تھے جس کی پابندی منظور حسین جیسے بے لوث اور ایماندار رضاکار کے لئے ممکن نہ تھا۔ غریب اور مجبور والدین سے خدمت کا معاوضہ طلب کرنا کہاں کا انصاف ہے اگر خدمت خلق کا کام معاوضے یا صلے کی امید پر کیا جائے تو پھر یہ خدمت خلق کہاں رہا؟ یہ تو کاروبار بن گیا۔ وہ ایسے جعلی اور کمرشل اداروں سے مایوس ہونے کے بعد ادارہ خدمت راولپنڈی کا رضاکار بن گیا۔ چند ماہ کے بعد ادارے کے چند افراد نے اسے مجبور کیا کہ وہ والدین سے خدمت خلق کا معاوضہ طلب کرے۔ منظور حسین جھنجلا اٹھا۔ روپیہ۔ روپیہ، معاوضہ، معاوضہ۔ اس نے ہیڈ کوارٹر راولپنڈی کو خط لکھا اور والدین سے معاوضہ طلب کرنے کی وضاحت چاہی۔ ہیڈ کوارٹر سے اسے جو جواب موصول ہوا، اس میں والدین سے کسی قسم کی فیس یا معاوضہ طلب کرنے کے رجحان کو غلط اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔ راولپنڈی میں اسے ستر روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن کراچی میں تبادلے کے بعد اسے ادارے کی طرف سے کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی مفرور لڑکوں کے والدین خوش ہو کر اسے جو کچھ دیدیتے ہیں اس پر وہ قناعت کرتا ہے۔ اپنی طرف سے ایک پیسہ بھی طلب کرنا بدترین گناہ سمجھتا ہے۔ ہر ماہ اسے ستر روپے سے لے کر سو روپے تک مل جاتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے اخراجات کے علاوہ سفر کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے۔ ادارہ کی طرف سے ریل کا کرایہ بھی نہیں دیا جاتا۔

منظور حسین نے بتایا۔ کچھ والدین ایسے بھی ہیں جو اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے تعریفی کلمات تو علیحدہ رہے وہ الٹا ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں۔ اور پولیس میں دینے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ایسے واقعات سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے"۔

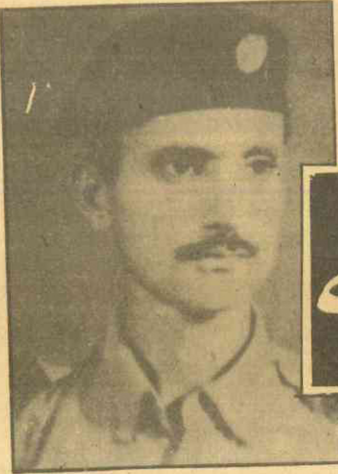
منظور حسین کی خدمات

اس نے ۳۱ راگست ۱۹۶۸ء سے خدمت خلق کا کام شروع کیا۔ ۳۰ رجون ۱۹۷۲ء تک وہ نو سو گیارہ مفرور لڑکوں کو ان کے والدین سے ملا چکا ہے، ان میں نو کمسن لڑکیاں بھی شامل ہیں۔

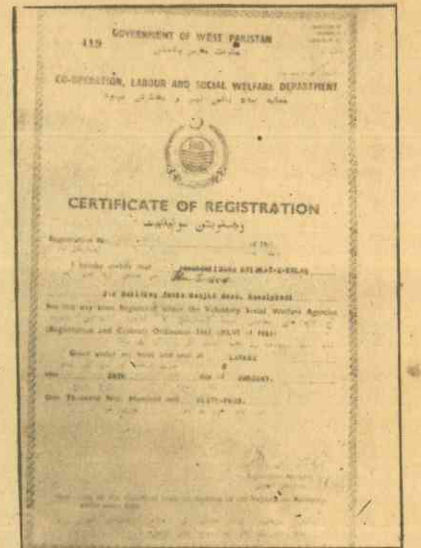
منظور حسین نے انکشاف کیا کہ عام طور پر لڑکے گھر سے نقدی زیور یا دوسری قسم کی اشیاء بھی لے کر بھاگتے ہیں۔ وہ اب تک ۵۷ ہزار ۲ سو ۸۳ روپے اور دس آنے کی رقم برآمد کر کے والدین تک پہنچا چکا ہے اس کے علاوہ ۸۵ عدد گھڑیاں، ۶ عدد لائٹر، ۶ عدد کیمرے ۱۸ عدد ریڈیو ٹرانسسٹر، ۱۳۵ عدد فولڈنگ قلم، ۵۷ عدد اسکول کے بستے۔ ۲۲ چشمے، ۸ عدد عینک، ۸ عدد جوتے کی جوڑی، ۳ عدد باجے، ۲۳½ تولہ سونے کے زیور، ۵ چھٹانک چاندی اور ۳۵ عدد سگریٹ کیس بھی متعلقہ لوگوں کو واپس کر چکا ہے۔

کراچی میں خدمت خلق کا ذیلی دفتر نہیں ہے

کراچی میں ادارہ خدمت خلق راولپنڈی کا کوئی ذیلی دفتر موجود نہیں ہے جس کے سبب مفرور لڑکوں کی رہائش



منظور حسین

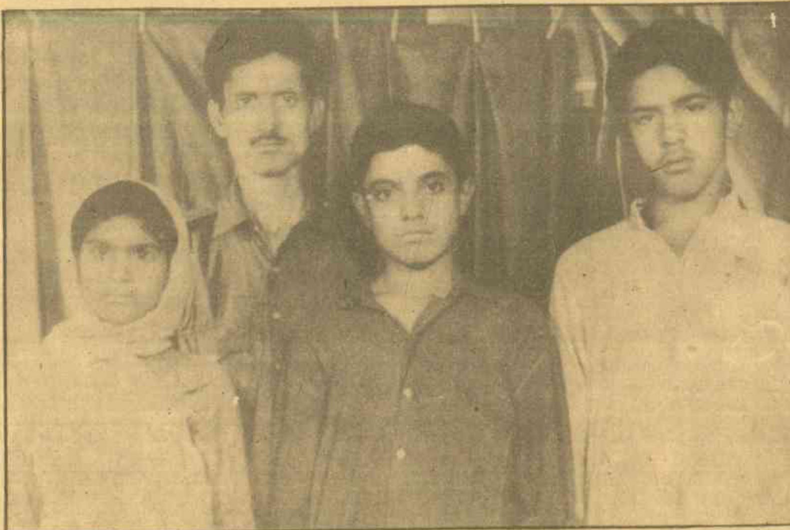


GOVERNMENT OF WEST PAKISTAN

CO-OPERATION, LABOUR AND SOCIAL WELFARE DEPARTMENT

CERTIFICATE OF REGISTRATION

ادارہ خدمت خلق کا رجسٹریشن سرٹیفکیٹ



گھر سے بھاگے ہوئے ناصر جاوید، محمد انواز، رضیہ بی بی رضاکار منظور حسین کے ہمراہ۔

کے لئے منظور حسین کو بار ہا پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اکثر و بیشتر وہ ریلوے پلیٹ فارم پر وقت گذارتا ہے یا

مفرور لڑکوں کو ریمانڈ ہوم میں داخل کرا دیتا ہے۔
منظور حسین نے کہا۔ اگر خدمت خلق کا ایک ذیلی

دفتر کراچی میں بن جائے تو میری بہت سی پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں۔ کبھی کبھی اچانک ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ دفتر سے رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کراچی میں ذیلی دفتر بن جانے سے میری بہت سی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

پولیس اور ریلوے کا عملہ

منظور حسین کو خدمت خلق کے کاموں میں پولیس اور ریلوے کے عملے سے براہ راست واسطہ رہتا ہے۔ پولیس اور ریلوے میں جہاں بُرے لوگ ہیں وہاں اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ پولیس کے چند افراد اس سے بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ اور اس کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کے نیک جذبے اور قومی خدمت کی قدر نہیں کرتے اور اس کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ منظور حسین نے ریلوے کے عملے اور پولیس سے اپیل کی ہے کہ وہ بےلوث جذبے کے ساتھ خدمت خلق کا کام کر رہا ہے، لہٰذا اس سے تعاون کیا جائے۔

بھگوڑے لڑکوں کی نفسیات

منظور حسین نے بتایا کہ بیشتر لڑکے غلط لڑکوں کی صحبت میں خراب ہو جاتے ہیں۔ والدین اقتصادی الجھنوں کے سبب اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ نہیں دیتے۔ جن لڑکوں کی عادتیں خراب ہو جاتی ہیں ان کا

خانپور ریلوے اسٹیشن پر پولیس نے اُسے جیب کترا بنا دیا

علاج صحیح طریقہ سے نہیں کیا جاتا۔ مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ سے بچے مزید بگڑ جاتے ہیں اور گھر سے بھاگنے لگتے ہیں۔ ان دنوں چھوٹے چھوٹے لڑکوں میں سگریٹ نوشی اور سینما بینی کا شوق بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اپنے اخراجات

بغیر رسید حاصل کئے چندہ ہرگز نہ دیا جائے۔

تاریخ اجراء

اکاؤنٹ نمبر

پیٹی نمبر

LAHORE

”اگر چندہ نہیں تو ایک سگریٹ ہی پلوا دیں“

ایک دن ”الفتح“ کے دفتر میں دو اجنبی وارد ہوئے میرے سامنے احفاظ الرحمان بیٹھے تھے۔ دونوں اجنبی نوجوان اور ہٹے کٹے تھے۔ ایک نے خدمت خلق کے رضا کار کی وردی پہن رکھی تھی۔ دوسرا شلوار قمیض میں تھا۔ وردی والے نوجوان نے خدمت خلق کے ایک ادارے کے رضا کار کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے ہوئے چندہ مانگا۔

میں نے کہا۔ ”خدمت خلق کے ادارے چندہ تو نہیں مانگتے۔ تمہیں کہاں سے اس کی اجازت مل گئی“۔

اس نے جواب دیا۔ ”میرا ادارہ چندے سے چلتا ہے“۔

میں نے کہا۔ ”اپنے ادارے کی طرف سے ایسا کوئی ثبوت دے سکتے ہو۔“

وہ لگا آئیں بائیں شائیں بکنے اور کہنے لگا۔

”جناب آپ کو کچھ دینا ہو تو دیں۔ ورنہ صاف صاف کہہ دیں۔“

میں نے اُس سے کہا ”اس وقت تو میرے پاس چندے کی رقم نہیں ہے۔ کسی اور دن آؤ۔“

خدمت خلق کے رضا کار نے چلتے چلتے احفاظ الرحمٰن سے کہا۔ ”ایک سگریٹ تو پلوا ہی دیں۔“

وہ سگریٹ سلگانے کے بعد گاڑھا گاڑھا دھواں مُنہ سے اگلتا ہوا نیچے اُتر گیا۔

اِس واقعہ کے دوسرے دن روزنامہ مشرق کے کرائمز رپورٹر میاں منظور حنیف نے مجھے خدمت خلق کے ایک جعلی ادارے کے جعلی رضا کار کا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا ”یہ جعلی رضا کار ہے۔ مجھ سے چندہ مانگنے چلا آیا تھا — اور پھنس گیا — ایسے لوگوں نے خدمت خلق اور ایماندار رضا کاروں کو بھی بدنام کر دیا ہے —“

میں نے شناختی کارڈ دیکھا تو اس پر اس اجنبی نوجوان کی تصویر لگی تھی جو ایک روز قبل الفتح کے دفتر میں احفاظ الرحمٰن کی موجودگی میں خدمت خلق کے نام پر چندہ مانگنے آیا تھا —

— اس کا شناختی کارڈ ادارہ خدمت خلق رجسٹرڈ لاہور سے جاری ہوا ہے۔ جب کہ وہ کراچی میں انجمن خدمت خلق پاکستان کراچی کے سوشل ورکر کی حیثیت سے چندہ وصول کرتا پھر رہا ہے۔ اس کے علاوہ شناختی کارڈ پر اس کا نام محمد منیر ولد باقر علی درج ہے۔ مرکزی انجمن خدمت خلق رجسٹرڈ کراچی کے تصدیق نامہ پر اس کا نام محمد امین ہے۔ ایسے فراڈ لوگ ان لوگوں کو بھی بدنام کر رہے ہیں جو دُکھی انسانیت کی کسی نہ کسی طور پر خدمت انجام دینا چاہتے ہیں۔

خدمتِ خلق کے جعلی ادارے۔

جعلی رضاکار۔ والدین کو لوٹ رہے ہیں

پورے کرنے کے لئے چوری اور جیب تراشی شروع کر دیتے ہیں۔ جب والدین کو خبر لگتی ہے تو وہ تعلیم کی کمی کے سبب صحیح طریقہ استعمال کرنے کی بجائے غلط طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ جسمانی زدوکوب سے بچنے کے لئے لڑکے اپنے گھروں سے بھاگنے لگتے ہیں۔ بعض بچے پڑھنے لکھنے سے جی چراتے ہیں۔ ان کے ساتھ زبردستی کرنے سے وہ بددل ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ منظور حسین نے بتایا کہ بیشتر لڑکے خراب لڑکوں کی صحبت سے بگڑتے ہیں اور ان کے بہکاوے میں آ کر گھر سے نقدی یا زیور جو ہاتھ لگ جائے لے کر فرار ہو جاتے ہیں۔

خدمتِ خلق کے جعلی ادارے

منظور حسین نے جب خدمت خلق کا کام شروع کیا تو لوگوں نے نشتر زنی کی اور اسے طرح طرح سے خوف دلایا کہ یہ کام بہت برا ہے اسے چھوڑ دو۔ بدنام ہو جاؤ گے۔" اس وقت یہ ساری باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں، مگر دھیرے دھیرے تجربات نے اسے سب کچھ سکھا دیا۔

ڈی آئی جی پولیس کراچی کا خط ایس پی ریلوے کے نام

اسے اس بات کا بھی پتا چل گیا کہ لوگ اس مقدس کام کو کیوں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔

پورے پاکستان میں خدمت خلق کے بے شمار جعلی ادارے پھیلے ہوئے ہیں جو خدمت خلق کے نام پر فراڈ، جعلسازی، بلیک میلنگ کا کاروبار دھڑلے سے کرتے ہیں ایسے جعلی اداروں کے جعلی لوگ لنڈا بازار اسلم کیپ ہاؤس لاہور سے خدمت خلق کا بیج اور پٹی بنوا کر خدمت خلق کے رضاکار بن جاتے ہیں۔ ایک طرف وہ بچوں کو اغوا کرتے ہیں۔ دوسری طرف والدین سے اس کا بھاری معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ معاوضے کی صورت میں جب رقم نہیں ملتی تو وہ لڑکوں یا لڑکیوں کو فروخت کر کے ہزاروں روپیہ بنا لیتے ہیں۔

جعلی خدمت خلق کے اداروں اور رضاکاروں کا ایک خاص حلقہ اثر ہوتا ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی جعلسازی، انسانیت سوزی اور بدکرداری پر پردہ ڈالتے ہیں، ایسے لوگ ملک و قوم کے نام پر بدنما داغ ہیں۔ وہ دکھے دلوں کی دعائیں لینے کی بجائے انکے دکھ درد میں اضافہ کرتے ہیں۔

منظور حسین نے بتایا کہ خدمت خلق کے چند ادارے اچھے بھی ہیں۔ ان اداروں کے رضاکار مفرور بچوں کو ان کے والدین تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے ادارے کمرشل بنیاد پر نہیں چلتے۔ اس لئے والدین سے اپنی خدمت کا معاوضہ بھی طلب نہیں کرتے۔

منظور حسین نے کہا "جس روز خدمت خلق کرنے والوں نے غیر کی اولاد کو اپنی اولاد اور غیر کی امانت کو اپنی امانت سمجھ لیا۔ اس روز جعلی ادارے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ پولیس کو بھی ایسے جعلی اداروں کے جعلی رضاکاروں کے خلاف کارروائی کرنی چاہیئے جو امانت میں خیانت جیسے بدترین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

Markazi Anjuman Khi...nat-e-Khaliq Pakistan

SERVE IN SOCIAL AND | COMMUNITY WELFARE AFFAIRS



۲۶۰ لیاقت اشرف کالونی نمبر ۱
کراچی-۲۹

260, LIQUAT - ASHRAF COLONY,
Karachi-29 ____________

Ref. No. ____________

امتیازی نشان

مرکزی انجمن خدمت خلق پاکستان رجسٹرڈ کراچی

جناب من :-

تصدیق کی جاتی ہے مسمی ____________

ولد - - - ____________ سکنہ ____________ کراچی انجمن

ھذا کا نمائندہ ہے۔ اس کو انجمن ھذا کی طرف سے چندہ فراھمی کی اجازت دی جاتی ہے۔

انجمن ھذا کو جناب ڈپٹی کمشنر صاحب کراچی کیطرف سے چندہ فراھمی کی اجازت ہے۔

انجمن ھذا کو حکومت پاکستان سے زیر دفعہ رول 15/D انکم ٹیکس سے مستشنہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ انجمن آپ صاحبان کے تعاون سے سماجی فلاح و بہبود کا کام سر انجام دیتی ہے

لھذا آپ صاحبان سے دست بدست اپیل کی جاتی ہے انجمن ھذا کی ہر طرح سے امداد کریں

نمائندگان سے تعاون کریں شکریہ

والسلام

مرکزی انجمن خدمت خلق رجسٹرڈ کراچی-۲۹

اس سرٹیفکیٹ میں محمد امین سوشل ورکر کو مرکزی انجمن خدمتِ خلق پاکستان کراچی کا نمائندہ بتایا گیا ہے جب کہ اس کے پاس شناختی کارڈ ادارہ خدمتِ خلق عامہ لاہور کا ہے۔

میرے وطن میں

سعید رضا سعید

جلد ہی وہ دن آئے گا
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا
اب جلد ہی وہ دن آئے گا

کچے گھر اب اونچے ہوں گے راج محل جھک جائیں گے
معماروں کی عزت کرنے تاج محل جھک جائیں گے
محنت کرنے والوں کو اب کوئی نہیں ٹھکرائے گا!
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا

اب نہ کسانوں پر بیدخلی کی کوئی آفت آئے گی
مزدوروں پر اب نہ کبھی چھانٹی کی مصیبت آئے گی
محنت لینے والا اب رزّاق نہیں کہلائے گا۔
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا!

اب آزادی حاصل ہوگی سارے بندھن جائیں گے
وہ جو تھے محروم گھروں سے گھر والے بن جائیں گے
اب نہ کھلے میدان میں کوئی انساں جاڑا کھائے گا!
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا!

علم کی راہ میں اب نہ غریبی کھینچے گی دیوار کبھی!!
اس دولت کو ہم سے چھینیں گے نہ اجارے دار کبھی
کھول کے اب اسکول یہاں پر کون منافع کھائے گا
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا!

اب بنیادی سہولتوں کا بادل گھر گھر برسے گا
مفلس گھر میں اب نہ کوئی بیمار دوا کو ترسے گا
اب بھوکی اولاد کو کوئی صبر نہیں سکھلائے گا
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا!

بیوہ ماں راتوں کو فکر کے آنسو اب نہ بہائے گی
بنا جہیز اب کوئی نہ بیٹی بن بیاہی رہ جائے گی
وقت یتیموں سے اب ہرگز بھیک نہیں منگوائے گا
میرے وطن میں ننگا بھوکا کوئی نہ رہنے پائے گا!
جلد ہی وہ وقت آئیگا

قطرے پہ گوہر ہونے تک

منیر جہلمی

گاؤں سے باہر چودھری کے چلہار پر بیلوں کے گلے میں پڑی ہوں گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ گاؤں کی پرسکون فضا میں ان کی آواز بہت بھلی لگ رہی ہے۔ یہ چلہار چودھری کی وسیع و عریض زمینوں کو سیراب کر رہا ہے۔ دور دور تک سبزے کی چادر بچھی ہوتی ہے۔ چلہار کے پچھواڑے بڑ کا دیو قامت درخت پھیلا ہوا ہے۔ بڑ کے درخت کے نیچے صابر گھٹنوں میں سر دیئے کسی گہری سوچ میں گم ہے ....

قریب ہی ایک بڑے پتھر کے پہلو میں اس کی کتابیں پڑی ہیں —— یوں تو ان کتابوں کو اس وقت تک کھل جانا چاہیئے تھا۔ لیکن صابر ان کی طرف پیٹھ کر کے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔

اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ پر صابر نے گھٹنوں سے سر نکالا۔ سامنے دیکھا تو ماں کھڑی تھی۔ صابر کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ گھبراہٹ کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ماں نے قریب آکر ترش لہجے میں پوچھا ——

"تم آج اسکول نہیں گئے۔"

صابر نے آنکھیں جھکا دیں —— اور خاموش کھڑا رہا۔

"میں پوچھتی ہوں تم آج اسکول نہیں گئے" —— ماں نے زور دے کر پوچھا۔ صابر کے چہرے پر خوف اور مایوسی کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے —— اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے —— ماں نے یہ کیفیت دیکھی تو ممتا کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا —— اور لپک کر صابر کو گلے سے لگا لیا —— صابر کا جی بھر آیا اور وہ زور زور سے رونے لگا۔

ماں نے پیار سے پوچھا —— "کیا بات ہے صبو کیوں روئے جا رہا ہے۔ ہے"

"ماسٹر جی نے مارا ہے جو یہاں آکر بیٹھ گیا ہے۔"

"نہیں ماں" —— صبو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا۔"

صابر نے ڈرتے ڈرتے کہا "میں اسکول نہیں جاؤں گا ماں۔"

"کیوں" —— ماں کا لہجہ اچانک سخت ہو گیا —— "تمہیں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بننا ہے —— دیکھتا نہیں چودھری کا لڑکا کتنے شوق سے اسکول جاتا ہے —— جاتا ہے کہ نہیں —— بولتا کیوں نہیں" ——

"ہاں جاتا تو ہے —— لیکن اس کی ماں میری ماں کی طرح مزدوری نہیں کرتی —— وہ تو بڑے ٹھاٹھ سے رہتی ہے ماں"....

صابر نے یہ الفاظ بڑی معصومیت سے کہے۔

ماں نے پیار سے صابر کے منہ پر ایک ہلکی سی چپت رسید کی —— "پگلا کہیں کا —— وہ تو بڑے لوگ ہیں بیٹے —— بے شمار جائیداد کے مالک ہیں۔ انہیں کیا پڑی ہے کہ وہ مزدوری کرتے پھریں —— محنت مزدوری تو ہم غریب لوگوں کا مقدر ہے —— جو ہم کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔"

"میرا کام کرنا تمہیں برا لگتا ہے صبو" ماں نے پوچھا۔

"ہاں ماں" —— تمہارا دوسروں کے گھر کام کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔"

"بیٹے میں جانتی ہوں، تمہارے دل میں کیا ہے —— تو یہی چاہتا ہے نا، کہ میں کام کرنا چھوڑ دوں —— ٹھیک ہے میں آج سے کام پر جانا بند کر دوں گی —— لیکن ہم کھائیں گے کہاں سے —— اور پھر تمہیں پڑھنا بھی تو ہے ——"

صابر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "ماں آج سے تم گھر پہ رہو گی اور میں کام پر جاؤں گا۔"

ماں کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ کھینچ کر صابر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں صبو —— تو آج کیسی باتیں کر رہا ہے۔ جا۔ جا کر کتابیں سنبھال اور گھر چلیں۔"

صابر نے کتابیں اٹھائیں اور ماں کے ساتھ گھر کی طرف چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد صابر اور اس کی ماں، گاؤں کی ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ اچانک ایک شور بلند ہوا —— کچھ لوگ بھاگ رہے تھے۔ پکڑو۔ پکڑو۔ روکو۔ روکو کی آوازیں آرہی تھیں۔

"ماں یہ شور کیسا ہے" —— صابر نے گھبرا کر پوچھا۔ ——

"پتہ نہیں بیٹے آگے جا کر پتہ چلے گا کہ کیا ہوا۔"

قریب ہی ایک بچے کی آواز آئی۔ "چودھری کا بیل بے قابو ہو گیا ہے۔"

"صبو دیوار کے ساتھ ساتھ چل بیٹے۔ کہیں موا اِس طرف نہ آنکلے۔ ایک دفعہ پھر شور بلند ہوا —— گلی کے نکڑ سے ایک سفید رنگ کا۔ ہاتھی کی طرح پلا ہوا بیل نمودار ہوا۔

صابر نے بیل کو دیکھا تو گھبرا کر سامنے والے گھر کی طرف دوڑا —— ماں صابر کے پیچھے دوڑی —— بیل اب بالکل صابر کے قریب آچکا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ماں کی چیخ نکل گئی۔ اور اس سے پہلے کہ بیل صابر کو کوئی نقصان پہنچائے —— ماں نے اُسے ایک طرف دھکیل دیا —— اور صابر دور جا گرا —— لیکن ماں بیل کے سامنے آگئی۔

ایک زور کا دھماکہ ہوا —— دیکھنے والوں پر سکتہ طاری ہو گیا بیل نے اس زور کی ٹکر ماری کہ ماں دس ہاتھ دور جا گری —— اور بیل ماں کو روندتا ہوا آگے نکل گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے۔ محلے کے تمام مرد، عورتیں اور بچے ماں کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہر آنکھ پرنم تھی —— ہر زبان گنگ تھی —— فضا پر سکوت طاری تھا کہ اچانک صابر کی چیخوں سے خاموشی کے تار ٹوٹ گئے —— ماں دم توڑ چکی تھی۔

ہر کوئی آگے بڑھ کر صابر کو تسلی دے رہا تھا۔ لیکن صابر کی ہچکیاں بند ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

سامنے والے گھر سے چارپائی منگوائی گئی —— چار پانچ آدمیوں

الفتح

نے مل کر ماں کو چارپائی پر ڈالا ——— اور کندھوں پر اٹھا کر گھر لے گئے۔

اس واقعہ کو گزرے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ——— صابر اب اپنے چچا کے ہاں رہ رہا تھا۔ ویسے تو اس گھر میں اُسے کوئی تکلیف نہ تھی۔ جو روکھی سوکھی وہ لوگ کھاتے اُسے بھی مل جاتی ——— لیکن صابر بہت زیادہ خاموش رہنے لگا تھا ——— کوئی بات کرتا تو اس کا جواب دے دیتا ورنہ خاموش رہتا۔ دن کا زیادہ حصہ اس کا اپنے گھر میں گزرتا ——— اور کبھی کبھی تو وہ ماں کی قبر پر جا کر خوب روتا۔

حسبِ معمول ایک دن وہ اسی طرح جامن کے درخت کے نیچے کھٹولا بچھا کر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اُس کا چچا اس طرف آنکلا ——— صابر کو خاموش دیکھ کر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"صبّو تو ہر وقت خاموش خاموش رہتا ہے ——— نہ تو کوئی بات کرتا ہے ——— نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے ——— کیا ہو گیا ہے تمہیں میرے گھر میں کوئی تکلیف ہے تمہیں"۔ چچا نے پیار سے پوچھا۔

"نہیں چاچا مجھے بھلا کیا تکلیف ہو سکتی ہے"۔

"پھر تو خوش کیوں نہیں"۔

"بس یوں ہی چاچا دل نہیں لگتا ——— میں سوچ رہا تھا کوئی کام کرنا چاہیئے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں"۔

"بس اتنی سی بات ہے تو فکر نہ کر ——— میں کل ہی شیخ جی کے بھٹے پر جا کر معلوم کروں گا۔ شاید وہاں کوئی تمہارے لئے کام نکل آئے ——— زیادہ نہیں تو دو ڈھائی روپے روز کے تو لے ہی آیا کرو گے ——— بس تم اب سوچنا بند کر دو ——— سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا"۔

گاؤں سے کوئی دو میل دور شیخ جی کا بھٹہ ہے۔ بہت سے مزدور کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض پکی ہوئی اینٹیں گدھوں پر لاد کر باہر لا رہے ہیں ——— اور پھر ان اینٹوں کو ایک جگہ جمع کیا جا رہا ہے۔ قریب ہی بہت سارے مزدور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے ہوتے ہیں ——— دھوپ سے بچنے کے لئے بعض نے چارپائی کے اُوپر چادر ڈال کر اسے ایک بانس کے سہارے کھڑا کر دیا ہے ——— ان سب سے الگ ایک پرانی سی دیوار کے سائے میں صابر بیٹھا ہوا ہے ——— اُس کے سامنے گیلی مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ ایک لڑکا جانو بیٹھا ہے جو اس کا ہم عمر ہی ہے ——— جانو گیلی مٹی کے پیڑے بنا رہا ہے اور صابر ایک ایک پیڑے کو سانچے میں ڈال کر کچی اینٹیں تیار کر رہا ہے۔

جانو کہہ رہا تھا ——— "یہ لوگ بھی کتنے ظالم ہیں۔ دھوپ میں سارا دن ہم مرتے ہیں۔ اور مزے یہ لوگ اڑاتے ہیں" ——— پھر جانو نے مٹی کا ایک پیڑا صابر کے ہاتھ میں تھمایا اور قریب پڑے ہوئے ایک ٹاٹ کے ٹکڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا ——— "یار صبّو بڑے قہر کی گرمی پڑ رہی ہے ——— ذرا شیخ جی کے چمچے کا خیال رکھنا ——— حلق خشک ہوا جا رہا ہے۔ ذرا سامنے مسجد تک جا رہا ہوں پیاس بہت زور کی لگ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ لیکن جلدی آ جانا"۔ صابر نے تاکید کی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد صابر نے محسوس کیا کہ دھوپ اُس کے اوپر آ رہی ہے۔ وہ اُٹھ کر دیوار کے اور قریب ہو گیا۔ یہاں سائے میں اُسے کچھ آرام ملا ——— اور تھوڑی دیر سستانے کے خیال سے وہ اپنے جوتے سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد صبّو کی آنکھ لگ گئی اور وہ خراٹے بھرنے لگا۔

ایک زوردار ہاتھ صابر کے منہ پر ایسا پڑا کہ اُس کا دماغ گھوم گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دوسرا طمانچہ اُس کے دائیں گال پر اس زور سے لگا کہ صبّو دور جا گرا ——— لیکن فوراً سنبھل کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔

"دلاور بھائی معاف کر دو"۔ یہ کہتے ہی وہ زور زور سے رونے لگا۔

"ابے چپ کر لگا بھائیں بھائیں کرنے ——— نوابزادے یہاں آرام فرمانے آتے ہیں۔ کہاں ہے وہ سالا جانو"۔

"جی ——— وہ ——— وہ ——— ذرا پانی پینے گیا ہے۔ دلاور بھائی۔"

جانو دیوار کے پیچھے کھڑا سب کچھ سُن رہا تھا۔ جوں ہی اس نے اپنے بارے میں سنا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا ——— دلاور نے جانو کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اُس کے پیچھے دوڑا لیکن جانو بہت آگے نکل گیا تھا۔ پھر جلد ہی واپس لوٹ آیا۔

صابر نے جب دلاور کو واپس آتے دیکھا تو وہ دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ جوں ہی دلاور دیوار کی نکڑ پر پہنچا۔ صابر دیوار کے دوسری طرف چلا گیا ——— اور بھاگ کھڑا ہوا۔

دلاور نے اِدھر اُدھر دیکھا تو صبو غائب تھا۔ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو صبو کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا ——— اسے بہت تاؤ آیا لیکن کچھ نہ کر سکا اور واپس چلا گیا۔

صبّو بُری طرح ہانپ رہا تھا لیکن وہ اب دوڑنے کی بجائے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ سامنے چودھری کا چلہار تھا۔ سایہ دار درخت اور پانی دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی۔ چلہار پر پہنچ کر پانی پیا تو وہ پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا ——— قریب ہی کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ تو صبو چونک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو جانو کھڑا تھا۔

تھوڑی دیر یہاں لیٹ جاؤ گے تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ جانو نے مشورہ دیا۔ اور پھر دونوں نیم کے درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

صبّو نے گال ملتے ہوئے کہا "ستیاناس ہو اس شیخ جی کے چمچے کا۔ بہت پیٹا ہے سالے نے" ——— جانو تو نے اچھا کیا جو اس کے ہاتھ نہیں آیا ورنہ تیرا بھی یہی حشر کرتا۔"

جانو منہ سے مکھی اُڑاتے ہوئے بولا "ایسے بہت سے ذلیل لوگ ہیں ——— سارا دن کام کرو شام کو ڈھائی روپے ملتے ہیں۔ وہ بھی رلا رلا کر دیتے ہیں"۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"میں تو بہت دنوں سے پروگرام بنا رہا ہوں کہ شہر چلا جاؤں بھائی کا بھی خط آیا تھا کہ شہر چلے آؤ ——— لیکن یار ماں بیمار ہے ——— اُسے اکیلا چھوڑ کر کیسے جاؤں گا ———"۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ شہر والی بات سن کر صبّو ایسے چونک گیا۔ جیسے اچانک کوئی خزانہ مل گیا ہو ——— فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا اور کہا۔ "یار جانو یہ تو تم نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ شیخ جی کے ہاں تو میں اب جانے سے رہا ——— اگر تو مجھے اپنے بھائی کے پاس بھیج دے تو تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

جانو کچھ دیر خاموش رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بہت اچھا ——— میں تمہیں بھائی کا پتہ دے دیتا ہوں۔ جانتا تو وہ تجھے بھی ہے۔ وہ ضرور تیری مدد کرے گا۔ بعد میں جب ماں ٹھیک ہو جائے گی تو میں بھی تم لوگوں کے پاس چلا آؤں گا۔"

صبّو کی سارے دن کی تھکن دُور ہو گئی ——— اس کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اُٹھا۔ فوراً جانو کی طرف ہاتھ بڑھایا ——— لو بھئی بن گیا پروگرام ——— چلو اب گھر چلتے ہیں۔ ابھی سے تیاری شروع کر دیتا ہوں ——— کل صبح پہلی گاڑی سے چلا جاؤں گا۔"

"ابے کوئی پیسے ویسے ہیں تیرے پاس ——— یا ——— انتظام کرنا پڑے گا"۔ جانو نے بڑی رازداری سے پوچھا۔

ارے اس کی تو فکر نہ کر ——— بندوبست ہو جائیگا ——— پندرہ سولہ روپے تو میرے پاس بھی جمع رکھے ہوئے ہیں۔ باقی چاچا سے مانگ لوں گا ——— چلو اب گھر چلتے ہیں۔ بھوک بھی لگ رہی ہے۔"

گاڑی چلنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ ڈبے میں کہیں سیٹ نہ ملی تو دروازے کے قریب ہی صبّو نے اپنے سامان کی چھوٹی سی گٹھڑی فرش پر رکھی اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا۔

صبّو کے بالکل سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا ——— اور اخبار کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اُس نے اخبار کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اُسے اپنے پہلو میں پڑے ہوئے صندوق پر رکھ دیا ——— اور صبّو کی طرف دیکھ کر بولا ——— "بیٹے تم شاید تنگ ہو رہے ہو۔ یہ ٹوکری سامنے سے ہٹا دو اور کھلے ہو کر بیٹھ جاؤ"۔ صبّو نے ٹوکرا اٹھا کر ایک طرف کر دی اور ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

صبّو زندگی میں پہلی بار ریل میں سفر کر رہا تھا۔ اس لئے وہ متواتر باہر دیکھے جا رہا تھا۔ اور گزرتے ہوئے ہر منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا ——— پہاڑ ——— جنگل ——— دریا ——— دیہات ——— لہلہاتے کھیت اور کبھی دور دور تک ویرانے اور نہ جانے کیا کیا اُس کے سامنے آیا اور پلک جھپکتے ہی نظروں

سے اوجھل ہو گیا۔

پھر اچانک کسی کارخانے کی چمنی سامنے آئی —— اور ہر گزر جانے والے منظر کی طرح وہ بھی غائب ہو گئی —— لیکن صبّو کے چہرے پر اداسی بکھر گئی۔ وہ سوچنے لگا —— بالکل ایسی ہی اینٹوں سے چنی ہوئی چمنی شیخ جی کے بھٹے کی تھی۔ دلاور کا خوفناک چہرہ اُس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا اور وہ دل ہی دل میں اسے کوسنے لگا —— پھر گزرے ہوئے تمام واقعات ایک ایک کر کے یاد آنے لگے —— ماں کی دردناک موت کا منظر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر لایا —— پھر مستقبل کی فکر نے آدبوچا تو وہ اپنے کو تنہا محسوس کرنے لگا۔ تنہائی کے اس احساس سے اُس کا دل گھبرانے لگا۔ تو وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا —— سامنے بیٹھا ہوا بوڑھا اونگھ رہا تھا —— ڈبے میں کہیں کہیں لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے —— کسی کے ہاتھ میں اخبار ہے تو کوئی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ کوئی سو رہا ہے اور کوئی اونگھ رہا ہے —— لیکن گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

صبّو کے کھڑے ہونے پر بوڑھے نے آنکھیں۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ بوڑھے نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے قریب پڑی ہوئی ٹوکری کو کھینچا تو دروازہ بھی ٹوکری کے ساتھ چلا —— لیکن چوں کی آواز کے ساتھ وہیں رک گیا —— بوڑھے نے ٹوکری میں سے ایک ڈبہ نکال کر باہر رکھا جس میں روٹی اور کباب تھے —— کھانے سے پہلے بوڑھا صبّو کی طرف دیکھ کر بولا —— "آؤ بیٹے تم بھی کھالو۔" صبّو نے مڑ کر دیکھا اور کہا —— "نہیں بابا تم کھاؤ۔ —— مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔" بوڑھا کھانے میں لگ گیا۔ اور صبّو باہر کا منظر دیکھنے لگا —— وہ اب بھی اپنے ماضی میں گم تھا۔

ماں کی تصویر بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آتی —— "ماں میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا —— تو کہتی تھی نا! کہ میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں —— تم دیکھو گی ماں —— میں ایک دن بہت بڑا آدمی بن جاؤں گا۔" پھر اچانک اُسے خیال آ گیا کہ وہ تو شہر میں نوکری کرنے جا رہا ہے —— اس کا یہ حسین خواب بکھر گیا اور اُس کے چہرے پہ مایوسی پھیل گئی۔ گاڑی اب ایک دریا کے پُل سے گزر رہی تھی۔ بہت خوبصورت منظر تھا —— لیکن صبّو اداس تھا —— ہوا کے جھونکے سے بھاری دروازہ اس زور سے صبّو کے کندھے سے ٹکرایا کہ گاڑی کے شور میں ایک چیخ بلند ہوئی —— اور صبّو دروازے سے باہر دوسری پٹڑی پر جا گرا —— اور پھر اچھل کر دریا کی بیرحم موجوں میں کھو گیا۔

پُل کے آخری سرے پہ گاڑی رک گئی۔ شاید کسی نے زنجیر کھینچ دی تھی۔ کچھ لوگ نیچے اترے —— اور پھر واپس اپنے اپنے ڈبے میں چلے گئے۔ گارڈ نے سبز جھنڈی لہرائی —— سیٹی بجی اور گاڑی اپنی منزل کی طرف چل دی ——

الفتح

غزل

مقبول قریشی

نہ سہی خندۂ گُل، زخم ہی چٹکا ہوتا
کوئی ہنگامہ تو اِس حبس میں برپا ہوتا!

ڈس گئیں صبحِ تمنّا کی روپہلی کرنیں
میں سیہ بخت ہی رہتا تو یہ اچھا ہوتا

زندگی بھر دلِ مشتاق کو حسرت ہی رہی
کاش اُس نے بھی کبھی مجھ کو منایا ہوتا

چاندنی اب بھی مچلتی ہے سرِ آبِ رواں!
کتنا اچھا تھا جو تُو بھی لبِ دریا ہوتا!

سو گئے سب ہی جب افسانے کے تیور نکھرے
ہم اگر بات نہ کرتے تو تقاضا ہوتا

کھُل کے رو لینے میں رسوائی تو برحق تھی مگر
کم سے کم ذہن سے ایک بوجھ تو ہلکا ہوتا

ٹوٹ سکتا نہ میری ایذا پسندی کا غرور
مجھ پہ اپنوں نے تو پتھر نہ اٹھایا ہوتا!

بقیہ ضیا سرحدی کی یادداشتیں



پرانے وقتوں کا ممتاز اداکار — سریندر

تعلق رکھتا تھا۔ شروع شروع میں جب اس فنکار سے مجھ کو سیٹ پر دوچار ہونا پڑا تو میں اپنے اندر ایک جھجک محسوس کرنے لگا۔ اس کو ہدایات دیتے ہوئے مجھے شبہ ہونے لگا کہ ایسے مشہور اور آزمودہ ایکٹر کو میں ایک نو آموز کس طرح سے اپنی ڈگر پر چلا پاؤں گا۔ لیکن یہ منازل چند ہی روز میں بخوبی طے ہو گئیں اور میری ساری ٹیم آپس میں کچھ اس طرح گھل مل گئی کہ ہم بڑی بے تکلفی اور اتفاق رائے سے کام کرتے رہے۔ ان ایام کے ساتھیوں اور ہم کام کرنے والوں کی فہرست میں میرے لئے ہمیشہ قابل احترام ایک اور شخص بھی رہا۔ اور وہ میرا کیمرہ مین رجنی کانت تھا۔ یہ ایک نوجوان فوٹوگرافر تھا جو کام کے عملی پہلوؤں کے علاوہ فوٹوگرافی کی THE-ORATICAL اہمیتوں میں بھی حد درجہ دلچسپی رکھتا تھا۔

اسی زمانے میں ساگر فلم کمپنی کے بینر میں، مسٹر نندلال بھی کامریڈ کے نام سے ایک فلم بنانے لگے تھے۔ نندلال ایک کہنہ مشق ہدایت کار تھے مگر ان کی فنی صلاحیتوں میں سب سے نمایاں اور غور طلب پہلو ان کی فریمنگ یا ان کا COMPOSITIONAL ART تھا۔

چنانچہ انہیں ایام میں مجھ کو فلم سازی کے اس اہم جزو فریمنگ (COMPOSITION اور FRANING) کی اہمیت کو سمجھنے کا موقعہ ملا۔ اس کام کی بیش قیمتی کا احساس کلکتہ میں مجھ کو اگرچہ کاردار کی تصویر سازی سے بھی ہوا تھا۔ مگر نندلال کی اُپج اور پختگی مجھ کو زیادہ ماہرانہ اور مصورانہ محسوس ہوئی۔ اس فن کو سمجھنے اور اپنانے کا تجسس پھر مجھے نندلال کے قریب لے جانے لگا اور مجھے اعتراف ہے کہ اس ضمن میں ابتداً میں نے جو کچھ سیکھا۔ جو کچھ پایا وہ اسی دیدہ ور اور محنت پسند فن کار کا رہین منت تھا یہ الگ بات ہے کہ بعد کے دور میں کہانی کے نفس مضمون اور تخیلی تقاضوں کے پیش نظر زاویائی تشکیل کے معاملہ میں مجھ کو بھی رفتہ رفتہ جدید انکشافات کا سامنا کرنا پڑا اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ میں بھی اس مسئلہ کی حیثیت کو ثانوی سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ مجھ کو یہ معلوم ہونے لگا کہ کیمرہ کی پوزیشن اگر فلم کے بنیادی تخیل یا نفس مضمون کے ہم آہنگ اور متناسب نہیں ہوتی۔ تو یہ مرکز گریز اور بے جوڑ ہو جاتی ہے۔ اور زاویہ کو یا حسن زاویہ کو نندلال کے ARTY - ARTY اصولوں پر چلانا کوئی قابل تقلید بات نہیں ہے فلمسازی کے ایام اگر یہ جنون فلمساز پر اگر یک سر سوار رہے تو فلم کی مجموعی فنی اقدار اور اُس کی روح کے مسخ ہو جانے کا خدشہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس امر سے متعلق رفتہ رفتہ جو کچھ میری سمجھ میں آنے لگا تھا درحقیقت وہ، چند غیر ملکی فلمساز اور عظیم ہدایت کاروں کی فلمیں دیکھ دیکھ کر ہوا تھا۔ اپنے ان غیر ملکی اساتذہ کا ذکر ہو سکتا ہے کہ میں بعد میں تفصیل کے ساتھ کر سکوں مگر مختصراً سر دست یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ اسی معاملے میں میں نے روسی مکتب فکر سے بہت کچھ حاصل کیا تھا اور خاص طور پر جن سے میں نے یہ درس حاصل کیا تھا ان کے ناموں کی فہرست میں، ایزن سٹین اور پوڈوکن کے نام ہمیشہ اوّل ہی رہیں گے ''ماگورکی'' کے عظیم ناول ''ماں'' کو جب پوڈوکن نے فلمایا تھا تو اپنے اس فلم میں پوڈوکن نے اسی مسئلہ کو بڑے فاضلانہ انداز کے ساتھ پیش کیا تھا۔ یاد نہیں کہ میں نے پوڈوکن کا یہ انقلابی فلم کتنی بار دیکھا۔ مگر جب بھی موقعہ ملا ضرور دیکھا۔ اور اس کے IMAGES آج بھی پوری طرح سے میرے ذہن پر نقش ہیں اور بعد کی دیگر فکر انگیز روشوں اور اُپجوں کے باوجود میرے نزدیک ان کا مقام آج بھی درس آموز ہے۔

بہرحال ''پوسٹ مین'' بن تو گیا۔ لیکن بیشتر لحاظ سے نہ بننے کے برابر تھا۔ اس کی جگہ جگہ کی خامیاں میرے لئے کچھ اس طرح افسوس اور ندامت کا باعث بننے لگ گئیں تھیں کہ میں نے نمائش کے بعد پبلک کے ساتھ بیٹھ کر اس کو بھی دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اپنے دور کے باکس آفسی اقدار کے لحاظ سے یہ فلم اگرچہ کاروباری حلقوں میں کسی قدر کامیاب بھی تسلیم کیا گیا تھا مگر بایں ہمہ بخت نے مجھ کو ناکامیوں کے لاتعداد تصورات میں الجھائے رکھدیا تھا۔ بہرحال اپنے طور پر میں نے جو بھی سوچا، وہ صرف میری ذات تک محدود رہا۔ مگر اس کے برعکس ساگر فلم کمپنی کے مالکان نے پوسٹ مین کو کامیاب سمجھا۔ اور نتیجتاً مجھ کو ایک نئے فلم کا آفر بھی دیدیا۔ جو بالآخر میں نے قبول کر لیا۔



فلم ''جھانجھر'' کے سیٹ پر کامنی کوشل، موتی لعل، سُندر، گیتا بالی اور اوشا کرن۔ کھڑے ہونے والوں میں سونالینی دیوی، دو اسسٹنٹ، کے۔ این سنگھ اور مادم پرکاش نظر آ رہے ہیں۔

الفتح



اِن چہروں پر کس کا ٹریڈ مارک ہے؟

وہاب صدّیقی

پچھلے اتوار کا ذکر ہے۔ صبح ہی صبح نہ جانے کہاں سے ایک مسکین سا شخص آٹپکا۔ چگی داڑھی، گدی پر جھے ہوئے لمبے لمبے پٹھے۔ ہونٹوں پر تیل چپڑی مہین مہین مسکراہٹ۔ وضع قطع سے صاف مودودیہ لگتا تھا۔ ہم نے اِس طرح بے وقت آنے کا سبب دریافت کیا تو وہ کچھ گھبرایا۔ کچھ شرمایا۔ اور رونی سی صورت بنا کر ٹکر ٹکر دیوار کو تکنے لگا۔

ہم نے پریشان ہو کر پوچھا: "ملّاجی! کیا بات ہے؟"

وہ نہ سر سے کھیلا، نہ منہ سے بولا۔ کچھ اور افسردہ ہو گیا۔ ہم نے دریافت کیا۔ ملّاجی! اتنے اداس کیوں ہو۔ کیا مودودی داغِ مفارقت دے گئے۔؟"

وہ بدحواس ہو کر بولا "خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں۔" پوچھا۔ "پھر روتے کیوں ہو۔"

ملّا نے جواب تو کچھ نہ دیا۔ بغل سے ایک اخبار نکال کر سامنے ڈال دیا۔ نام اس کا "اداکار" تھا۔ سرورق پر تین "سیاسی ایکٹروں" کی تصاویر چھپی تھیں۔ جو اداکاری کرنے کے الزام میں اب جیل کی ہوا کھاتے ہیں۔

چگی داڑھی والے مودودیے نے خاموشی کے ساتھ چند ورق الٹے پلٹے اور سبز نشان لگی ہوئی ایک عبارت پڑھنے کی درخواست کی۔ اس میں شوکت صدیقی صاحب کے بارے میں لکھا تھا۔

"جناب آپ کی والدہ محترمہ کے نکاح نامے میں جو آپ کے والد کی شادی کا میگنا کارٹا ہے، تو یہ درج نہیں کہ آپ پیدا ہوں گے، آپ کا نام شوکت صدیقی ہو گا۔ آپ کا نظام حیات نادانی ہو گا اور آپ کا پیشہ دربانی ہو گا، جب کہ ہم میں سے کوئی بھی یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ یہ نکاح کوئی اچانک حادثہ تھا۔ لازماً اس سے پہلے مدّت تک نکاح کی بات خاندانی حلقوں میں زیر بحث رہی ہو گی اور پھر منظور ہوئی ہو گی۔ جہاں اِس میں مہر کی رقم درج تھی، وہاں بچوں کی تعداد، نظامِ حیات اور پیشہ بھی درج کر دیا جاتا مگر ہم یہ نہیں پوچھ سکتے۔ یہ حق صرف کامریڈ صاحبان کو حاصل ہے۔"

جب ہم یہ تحریر پڑھ چکے تو مودودیے نے اپنی تیل چپڑی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اِس پر ہمارا ردِّ عمل معلوم کرنا چاہا۔ ہم نے اُسے بتایا کہ ہر شریف خاتون کا نکاح ویسا ہی ہوتا ہے جیسا مسلمانوں میں دستور ہے۔ البتہ یہ سننے میں ضرور آیا ہے۔

"مودودی کی اماں کا جب نکاح پڑھا گیا تو نکاح نامہ پر گواہوں کے خانے میں بطورِ گواہ مودودی نے بھی نشان انگوٹھا لگایا تھا۔ وہ اپنی اماں کے ساتھ جہیز میں آئے تھے۔ رہے

الطاف حسن قریشی اور اعجاز حسن قریشی وہ غالباً خانہ زاد ہیں۔ سُنا ہے ان کے باپ نکاح وکاح کے جھنجھٹ سے صاف انکاری تھے۔ برملا کہتے ہیں ان کی شکلیں دیکھ لو اور خود پہچان لو کہ ان پر کس کا ٹریڈ مارک لگا ہے۔ جمعیت القریش میں یہ مسئلہ اکثر زیر بحث آچکا ہے۔ برادری کے فضائیوں میں اس قضیہ پر کئی بار چھریاں چلتے چلتے رہ گئیں۔"

سیاستِ درباں

الطاف حسن قریشی کو کسی نہ کسی طور سعودی عرب کے شاہ فیصل کا انٹرویو لینے کا موقع ملا۔ وقت مقررہ پر یہ سلطان کے حضور باریاب ہوئے۔ الطاف کو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ ان کے رُوبرو پہنچے۔ ان کا کریہہ المنظر چہرہ دیکھا تو شاہ فیصل کی طبیعت متغیر ہو گئی۔ نفاست پسندی ان کے مزاج کا خاصہ ہے بہت ضبط کیا مگر قوت برداشت نے جواب دیدیا۔ قریب ہی وزیر الدیوان الملکی بیٹھے تھے۔ شاہ فیصل نے انہیں دیکھا اور الطاف حسن قریشی کی طرف اشارہ کرکے ناگواری سے بولے۔

"اینَ جِبتَ ھذَا اللّحمُ الحَرام۔ اطلَع!"

(کہاں سے اٹھا لائے یہ حرام گوشت کا لوتھڑا۔ دفع کرو اسے یہاں سے۔!)

سُلطان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو شاویش (دربان) آگے بڑھا کہ الطاف حسن کی گردن دبوچ کر باہر نکال دے۔ مگر وزیر الدیوان الملکی نے اُسے باز رکھا۔ "لا، لا (نہیں، نہیں) اور پھر شاہ فیصل کو "ارامکو" یعنی امریکی تیل کمپنی کی سفارش سے آگاہ کیا۔ سی۔ آئی۔ اے کا حوالہ دیا۔ الطاف حسن نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔

اِس طرح شاہ فیصل انٹرویو پر رضامند ہوئے۔ مگر انہوں نے نہ تو الطاف سے مصافحہ کیا۔ نہ ساتھ چائے پی۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق نہ صرف وہ پیالی جس میں الطاف حسن نے چائے پی تھی

بلکہ میز پر اس وقت جتنے بھی برتن موجود تھے سب پھینکوا دیئے گئے۔

درباداری اور نادانی

حال ہی میں صدر بھٹو نے مودودی کو شرف باریابی بخشا۔ مودودی لاہور کے گورنر ہاؤس سے لوٹے تو بہت خوش تھے۔ باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ رات کو میاں طفیل محمد ان کے پاس پہنچے صدر بھٹو سے مودودی کی ملاقات پر وہ بھی بہت مسرور تھے۔

دونوں ہنس ہنس کر چہلیں کرتے تھے، داڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مرغ مسلم کی ڈکاریں لیتے تھے۔ مگر ان کی یہ خوشی واپڈا والوں سے دیکھی نہ گئی۔ اچانک بجلی جاتی رہی۔ ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔

مودودی کچھ دیر تک اندھیرے میں بیٹھے بجلی کے واپس آنے کا انتظار کرتے رہے۔ مگر جب دیر تک روشنی کے آثار نظر نہ آئے تو دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ مودودی کے ہاتھ میں اس وقت ایک لمبی ٹارچ تھی۔ اچانک مودودی کو نہ جانے کیا سوجھی۔ ٹارچ روشن کی اور اس کا رخ آسمان کی طرف کر دیا۔ روشنی کی ایک لمبی لکیر دور تک آسمان کی بلندی پر پھیل گئی۔

میاں طفیل نے پوچھا "مولانا! کیا دیکھ رہے ہیں۔؟"

مودودی بولے۔ "آج ستارے کچھ زیادہ چمک رہے ہیں"

میاں طفیل ہنس کر کہنے لگے "لیکن ان چمکتے ستاروں میں آپ کا ستارہ کون سا ہے۔"؟

مودودی نے کوئی جواب نہ دیا۔ لمحہ بھر خاموش رہے۔ پھر مسکرا کر روشنی کی لکیر کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا۔ "طفیل! اس پر چڑھ سکتے ہو۔ ہے ہمت۔؟"

وہ بولے۔ "انعام کیا دیجیئے گا۔؟"

مودودی نے جواب دیا "سو روپے نقد۔"

طفیل کہنے لگا۔ "دیکھنے میں کچھ تھلے کا ہوں شرط جیت گیا تو رقم لے لوں گا۔"

مودودی نے کہا "منظور ہے۔"

لیکن میاں طفیل اچانک خاموش ہو گئے۔ گہری سوچ میں ڈوب گئے تو مودودی نے پوچھا۔

"چپ کیوں ہو گئے۔ چڑھتے کیوں نہیں اس پر۔"

طفیل مسکرا کر بولے "میں آپ کی حرکتیں خوب سمجھتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہو۔ بھئی کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔"

طفیل محمد کہنے لگے "آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس پر چڑھ کر اوپر پہنچ جاؤں اور آپ جھٹ بٹن دبا دیں۔ میں وہیں آسمان پر لٹکا رہ جاؤں۔ نہیں مولانا، مجھے ایسی شرط منظور نہیں۔

مودودی نے انہیں سمجھانا چاہا۔ یقین دلایا کہ وہ ہرگز ایسی حرکت نہیں کریں گے۔

شاید میاں طفیل محمد آمادہ ہو جاتے۔ مگر اسی اثنا میں بجلی واپس آ گئی۔ سارا کھیل ختم ہو گیا۔

الفتح

یوگنڈا سے ایشیائی باشندوں کا انخلاء

ایدی امین علاقائی تحریک کو جنم دے رہے ہیں؟

آغا مسعود حسین

یوگنڈا کے صدر جناب ایدی امین نے یوگنڈا سے ایشیائی باشندوں کو نکال دیا ہے اور اس وقت تک تقریباً ۲ ہزار ایشیائی باشندے یوگنڈا سے مختلف ملکوں کو جا چکے ہیں۔ ان نکالے جانے والے باشندوں میں پاکستانی، بھارتی، سیلونی، برمی، ملیشیائی ملکوں کے باشندے شامل ہیں۔ اور ان کا قصور صرف اتنا ہے کہ انہوں نے وہاں کی طرز معاشرت "اختیار" نہیں کی تھی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ افریقہ کے اس ملک نے ایسا قدم کیوں اٹھایا جب کہ ان باشندوں نے یوگنڈا کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

حقیقت میں جب سے ایدی امین یوگنڈا کے سیاسی افق پر جلوہ گر ہوئے ہیں، انہوں نے کوئی نہ کوئی ایسی انتہا پسند حرکت ضرور کی ہے۔ جس سے ایک طرف ملک میں علاقائی طرز پر سوچنے والی قوتوں کو تقویت ملی ہے تو دوسری طرف افریقہ میں لڑی جانے والی قومی آزادی کی تحریک کافی پیچھے چلی گئی ہے۔ کیونکہ افریقہ کے ان ملکوں کا مسئلہ یہ ایشیائی باشندے نہیں ہیں بلکہ وہ انگریز اور امریکی ہیں جنہوں نے افریقہ کی دولت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ یوگنڈا میں اس وقت ہیرے کی کانوں اور چائے کے باغات پر انگریزوں کا قبضہ ہے اور وہی اس قدرتی دولت کے مالک ہیں —— ایدی امین نے کہیں بھی ان نوآبادکاروں کو یوگنڈا بدر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بلکہ یوگنڈا میں چھوٹی موٹی صنعت کاری میں تمام غیر ملکی سرمایہ لگا ہوا ہے۔ یوگنڈا کے قدرتی وسائل پر اس وقت امریکی اور برطانوی نوآبادکاروں کا قبضہ ہے۔ جب کہ ۸۰ فیصد آبادی جہالت، غربت اور افلاس کی زندگی گزار رہی ہے —— جن ایشیائی باشندوں کو ایدی امین نے ملک سے نکالا ہے ان میں زیادہ تعداد ایسے باشندوں کی تھی، جو برطانوی نوآبادیاتی یلغار میں نوکری اور ملازمت کے سلسلہ میں آکر آباد ہو گئے تھے —— یہ باشندے اپنی دولت ملک سے باہر نہیں بھیج رہے تھے۔ بلکہ ان کی بڑی تعداد یوگنڈا کے لئے زرمبادلہ فراہم کر رہی تھی۔

یوگنڈا کے بارے میں مغربی مبصروں کی رائے یہ ہے کہ: "اس وقت یوگنڈا میں ایدی امین کی قیادت میں علاقائی تحریک جنم لے رہی ہے جو افریقہ کے قومی طرز فکر کے عین منافی ہے" —— کیونکہ اس تحریک سے ایک طرف یوگنڈا مزید معاشی دشواریوں کا شکار ہو جائے گا۔ دوسری طرف اسے اپنی معیشت کی ترقی میں امریکہ اور برطانیہ کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس وقت یوگنڈا میں معدنی دولت کی تلاش کا سارا ٹھیکہ امریکہ کے باشندوں کے پاس ہے۔ ہاتھی دانت کی تجارت زیادہ تر ان ہی گورے باشندوں کے پاس ہے جو ملک کی دولت لوٹ کر اپنے محلات تعمیر کر رہے ہیں —— حقیقت میں یوگنڈا سمیت افریقہ کے تمام ممالک میں اس وقت مسئلہ افریقی باشندوں کی آبادکاری اور تعلیم کا ہے —— یوگنڈا میں تعلیم کا تناسب ۵ فیصد ہے۔ تقریباً ۵۹ فی صد آبادی کے پاس کوئی گھر نہیں ہے۔ یہ لوگ جھونپڑیوں، بانس کے گھروں میں نیم وحشی زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا ۸ ہزار ایشیائی باشندوں کو نکال کر ایدی امین یوگنڈا کی گرتی ہوئی اقتصادی حالت سنبھال لیں گے۔ یہ حقیقت میں مسئلہ اپنی جگہ یوں ہی رہے گا، کیونکہ جب تک یوگنڈا میں قومی تحریک کے ذریعہ بیرونی ملکوں کی اجارہ داری کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ یوگنڈا سمیت افریقہ میں معاشی آزادی اور انصاف کا سورج طلوع نہیں ہو گا۔ آج کل سارے افریقہ میں قومی آزادی اور یکجہتی کی فضا پیدا ہو چکی ہے اور افریقہ کے محکوم عوام کا وسیع اتحاد ان بیرونی اجارہ داریوں کے خلاف زبردست خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ ایدی امین نے اس وقت ایشیائی باشندوں کو ملک سے نکال کر نہ صرف اجارہ داریوں کے خلاف ہونے والی تحریک کا رخ موڑ دیا ہے بلکہ افریقی اتحاد پر ایک ضرب لگائی ہے سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ یوگنڈا کی یہ تحریک بالکل وہی تحریک ہے جو آج سے چھ سال قبل ممباسہ قبائل کی تھی۔ جس نے قتل و غارت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ آج یوگنڈا میں فنی ماہرین کی اتنی شدید ضرورت ہے کہ بعض مغربی ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ

"ایشیائی باشندوں کے چلے جانے سے یوگنڈا کی معیشت متاثر ہو گی۔"

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کا اصل مسئلہ سرمایہ داری اور بیرونی اجارہ داری کے خلاف ایک وسیع اتحاد ہے۔ اگر ان ملکوں میں کوئی بھی علاقائی بنیاد پر محض ایک سیاسی طبقہ کو خوش کرنے کے لئے تحریک چلاتا ہے تو وہ اس وسیع اتحاد کے خلاف کام کر رہا ہے۔ ہمیں اس خطہ کے عظیم انسانوں کے مفادات کو سمجھنا چاہیئے اور ان ہی کی امنگوں کے لحاظ سے کام کرنا چاہیئے۔ افریقہ کے تمام ملک اپنی روایتی یکجہتی کے ساتھ نوآبادیاتی نظام کے باقیات کو ختم کرنے کے لئے بیرونی اجارہ داری کو دیس نکالا کریں گے۔ جس سے تمام افریقی باشندوں کی خوش حالی وابستہ ہے۔

۱۰,۰۰۰ طوائفیں

خلیج عرب کی ریاستوں میں پہنچا دی گئیں

احفاظ الرحمٰن

دشمنوں نے خواہ مخواہ یہ افواہ پھیلا رکھی ہے کہ سرمایہ دار ملک کے دشمن ہیں۔ ہمارے سرمایہ دار قوم کا سر بلند کرنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں اور ہمارے چھُٹ بھیّے جھٹ مُنہ پھاڑ کر انہیں غدار کہہ دیتے ہیں۔ کوئی بتائے ان سرمایہ داروں کا کیا قصور ہے۔ وہ صبح سے شام تک قومی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی اُن کا جرم ہے تو واقعی ان کے ساتھ بڑی بے انصافی ہو رہی ہے۔ اب یہی دیکھئے نا قومی بنکوں میں زرمبادلہ کی کمی ہے اور ہمارے سرمایہ داروں کو اس کا پورا پورا احساس ہے کہ اس طرح تو ملکی معیشت تباہ ہو جائے گی چنانچہ وہ اب ہر ممکن طریقے سے بیرونی ممالک سے زرمبادلہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر بیرونی ممالک سے زرمبادلہ حاصل کرنا غداری ہے تو پھر وطن پرستی کس جذبے کا نام ہے۔ یہ واقعی ہماری قوم بڑی احسان فراموش اور طوطا چشم واقع ہوئی ہے۔

کویت کے ایک انگریزی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی ہے اس خبر کو پڑھ کر اپنے سرمایہ داروں کی اختراعی صلاحیتوں کا اندازہ لگائیے انہوں نے غیر ممالک سے زرمبادلہ حاصل کرنے کے لئے کیسا انوکھا طریقہ دریافت کیا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ان کو غدار کہے تو وہ انتہائی بدذوق اور کور چشم ہوگا۔

"مغربی پاکستان سے تقریباً دس ہزار خوب صورت طوائفیں تیل کی دولت سے مالا مال خلیج عرب کی ریاستوں میں بھیجی گئی ہیں تاکہ پٹرول کے بادشاہوں کی جنسی تسکین کے ذریعے زرمبادلہ کمایا جا سکے۔"

مغربی پاکستان کے ایک تجارتی بنک یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ نے جزوی طور پر پاکستان اور اپنے فائدے کے لئے زرمبادلہ کمانے کے اس "انوکھے پروجیکٹ" کی نگرانی اور سرمایہ کاری کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

اطلاع ملی ہے کہ اس بینک کے تقریباً ایک درجن سینئر افسر لاہور کی ہیرا منڈی، کراچی کے نیپئر روڈ اور راولپنڈی کے چکلے سے لڑکیاں منتخب کرنے کے کام پر مامور ہیں۔ وہ لڑکیوں کے پاسپورٹ بنواتے ہیں اور ان کے ہوائی ٹکٹوں کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ جب یہ لڑکیاں اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہیں تو خلیج عرب کی ریاستوں میں اس بینک کی شاخوں کے افسران "محافظوں" اور "منیجروں" کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ !"

اس "انوکھے پروجیکٹ" پر ایک غیر ملکی پریس ہمارے سرمایہ داروں پر کس طرح تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتا ہے جب کہ ان "کلاکاروں" کی اپنے ملک میں کوئی قدر نہیں ہے۔ لوگوں نے ان کے خلاف خواہ مخواہ ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر رکھا ہے۔ "گھر کی مرغی دال برابر" والی بات ہے۔ پتہ نہیں انہوں نے کتنی جگر سوزی کے بعد اس "انوکھے پروجیکٹ" کا آغاز کیا ہوگا۔ کتنا کارآمد نسخہ ہے، گھاٹے کا کوئی کھٹکا نہیں۔ اس کا پہلا مثبت پہلو تو یہ ہے کہ اس میدان میں کوئی کمپٹیشن نہیں ہے۔ جتنا چاہو کماؤ۔ دوسرے ممالک ابھی قومی پیمانے پر اس میدان میں "سرمایہ کاری" نہیں کر رہے ہیں۔ پٹ سن اور سوتی کپڑے کی برآمد سے آخر ہم نے کیا کمایا ہے۔ ہماری یہ دس ہزار طوائفیں سال بھر میں سارا خسارہ پورا کر دیں گی۔ ہمارے سکّے کی قیمت پھر سے بلند ہو جائے گی معیشت کو فروغ حاصل ہوگا اور عوام خوش حال ہوں گے۔ کتنا سیدھا سادا طریقہ ہے۔ دس ہزار طوائفیں پورے ملک کی قسمت سنوار دیں گی اور اللہ نے چاہا تو ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے گا۔ طوائفوں سے اتنا ٹھوس اور تعمیری کام اب تک کسی نے نہیں لیا ہوگا۔ دوسرا مثبت پہلو یہ ہے کہ خلیج عرب کے شیوخ جن کی ہم "خدمت" کر رہے ہیں، ہمارے بنکوں میں بڑی بڑی رقمیں جمع کرائیں گے۔ جن سے ہم اپنی پسماندہ صنعت کو سہارا دے سکیں گے۔

ہمیں یونائیٹڈ بنک کی انتظامیہ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ملک کے "وسیع تر مفادات" کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر ممالک

ABOUT 10,000 attractive West Pakistani prostitutes have been sent to the oil-rich Arab Gulf countries in order to earn foreign exchange through the "sale of sex-pleasure" to the wealthy petrol kings and their countries.

EXCHANGE EARNERS

A WEST Pakistani commercial bank, the United Bank Ltd., has undertaken the task of the management and financing of this 'unique project' of foreign exchange earning, partly for the benefit of Pakistan and partly for its own.

IT is reported that about half a dozen senior officers of this bank have been placed on deputation to carry out the task of selecting girls from the brothels of Hiramandi in Lahore, Napier Road in Karachi, and Chakla in Rawalpindi. They also prepare passports for the girls and book their air tickets. The officers of this bank posted in its branches in the Gulf countries work as "care-takers" and "managers" of these girls after they arrive at their destinations.

کویت کے ایک اخبار کی خبر کا عکس

سے زرمبادلہ کمانے کا ایک تیر بہدف نسخہ دریافت کیا ہے۔ امید ہے ملک کے دوسرے تجارتی ادارے بھی یونائیٹڈ بنک کی پیروی کرتے ہوئے اس "کار خیر" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

اس سلسلے میں یونائیٹڈ بنک کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ابوظہبی کے سلطان زید کا شمار خلیج عرب کے امیر ترین حکمرانوں میں ہوتا ہے اور یونائیٹڈ بنک کے طفیل وہ ہر چند روز بعد ہمارے ملک کو رونق بخشتے رہتے ہیں ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ یونائیٹڈ بنک ہماری مہمان نوازی کی روایات کو آگے بڑھا رہا ہے سلطان زید کے لئے یہاں عالیشان کوٹھیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ جہاں اُن کے لئے "اشیائے خورد و نوش" کا معقول انتظام ہے۔ سلطان زید منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے یہاں تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ وہ جب تک یہاں قیام کرتے ہیں۔ یونائیٹڈ بنک کے سینئر افسر ہر لمحے ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ملک کا کونا کونا چھاننے کے بعد سلطان زید کے سامنے نئی نئی رنگ برنگی "غذائیں" پیش کرتے ہیں۔ اگر یونائیٹڈ بنک کے افسر اتنے سرگرم نہ ہوتے تو خلیج عرب کی ریاستوں میں ہماری خوب بھد اڑی ہوتی۔ مہمان نوازی کے اسی جذبے کے طفیل سلطان زید نے یونائیٹڈ بنک میں بڑی بڑی رقمیں جمع کرا رکھی ہیں اور وہ پاکستان کے اتنے گرویدہ ہو گئے ہیں کہ انہیں ابوظہبی میں پاکستانی "کھانوں" کی خوشبو تڑپاتی رہتی ہے۔ ہر دوسرے روز پاکستان کو اپنے قدموں کی زینت بخشتے رہتے ہیں۔ اگر یونائیٹڈ بنک والے اتنے مہمان نواز نہ ہوتے تو بھلا سلطان زید ہمیں کب خاطر میں لاتے۔ پیرس، لندن، روم اور ہانگ کانگ کے طعام خانے ان کے لئے ہر دم دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوتے ہیں۔

کراچی شپ یارڈ ـــــ طاغوتی نرغے میں

نمائندہ الفتح

مزدوروں پر تشدد آمیز حملے
غنڈہ گردی
لاقانونیت
انتقامی کارروائیاں
ملازمتوں کا عدم تحفظ
یونین کا بوگس الیکشن

پاکستان کا اکلوتا جہاز سازی کا ادارہ۔ کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس لمیٹڈ آج طاغوتی طاقتوں کے چنگل میں ہے۔ مزدوروں پر یونین کی موجودہ قیادت کی جانب سے تشدد آمیز حملے روزمرہ کے معمول بن گئے ہیں۔ کبھی ٹیفیر سیکرٹری پر غنڈوں سے حملہ کرایا جاتا ہے، کارڈ چھین لیا جاتا ہے اور کبھی جوائنٹ سیکرٹری محمد زمان کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اس غنڈہ گردی اور تشدد آمیز حملوں کا مقصد یہ ہے کہ مزدور یونین کی موجودہ قیادت اور ۸ر جولائی ۱۹۷۲ء والے بوگس الیکشن کو تسلیم کر لیں۔ جب کہ شپ یارڈ کے محنت کش موجودہ قیادت کو مسترد کر چکے ہیں۔ اس کی مزدور دشمنی سے آگاہ ہو چکے ہیں اور موجودہ قیادت کو بدلنا چاہتے ہیں ان کا مطالبہ ہے کہ یونین کے انتخابات خفیہ رائے شماری کے ذریعے کرائے جائیں۔ یہی وہ مطالبہ ہے جس کو دبانے کے لئے یونین کی موجودہ قیادت غنڈہ گردی سے کام لے رہی ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ اس سال کے اوائل ہی سے شپ یارڈ کے باشعور مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ یونین کے انتخابات خفیہ رائے شماری کے ذریعے کرائے جائیں۔ یونین کی موجودہ قیادت کنیز فاطمہ اور اس کے حواریوں کو یقین تھا کہ مزدور ان سے اتنے بدظن ہو چکے ہیں کہ اگر انتخابات خفیہ رائے شماری کے ذریعے ہوئے تو "جھرلو" کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اس مطالبہ کی شدید مخالفت کی۔ دھونس اور غنڈہ گردی سے کام لیا۔ رعب جمایا۔ سازشیں کیں لیکن ایک نہ چلی۔ مزدور اپنے مطالبہ پر ڈٹے رہے۔ اور عدالت سے حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ لیکن ۸ر جولائی کو کنیز فاطمہ نے الیکشن کرا لیا۔ ان دنوں لسانی تنازعہ اپنے عروج پر تھا۔ شہر میں کرفیو نافذ تھا۔ کراچی جل رہا تھا لیکن کنیز فاطمہ اپنی لیڈری میں مگن تھیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر الیکشن کرا لیا۔ اس الیکشن میں صرف تین، چار سو مزدوروں نے شرکت کی، ووٹروں کو لانے کے لئے بسوں کا انتظام تھا۔ اور ہال کے دروازے پر کنیز فاطمہ کے خاص آدمی مامور تھے۔ تاکہ کوئی آواز بلند ہونے سے پہلے ہی دبا دی جائے۔ ان تین، چار سو مزدوروں سے ہاتھ بلند کروا کر کنیز فاطمہ نے اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔

ان بوگس انتخابات کے بعد بھی مزدور اپنے موقف پر قائم رہے، کنیز فاطمہ کی قیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مرکزی وزیر مواصلات جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کو خطوط روانہ کئے کہ یونین کے انتخابات خفیہ رائے شماری کے ذریعے دوبارہ کرائے جائیں۔ ۸ر جولائی کے انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ اس پر کنیز فاطمہ ٹولہ نے غنڈہ گردی شروع کر دی۔ محمد زمان پر حملہ کرایا گیا۔ غنڈے محمد زمان کو زدوکوب کر رہے تھے کہ مزدوروں کو پتہ چل گیا۔ وہ جائے وقوعہ کی طرف بھاگے، مزدوروں کو آتا دیکھ کر غنڈوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ایک غنڈہ بھاگتے ہوئے لوہے کی چادروں پر گر پڑا اور زخمی ہو گیا۔ چنانچہ کنیز فاطمہ نے انتظامیہ سے گٹھ جوڑ کر کے چودہ مزدوروں کو معطل کروا دیا۔ حالانکہ وہ جائے وقوعہ پر موجود بھی نہیں تھے۔ اس ناانصافی کے خلاف یونین کے مخلص کارکنوں نے آواز اٹھائی۔ انتظامیہ سے گفت و شنید کی، ورکشاپوں کے سربراہوں نے معطل شدہ مزدوروں کے حق میں گواہی دی۔ چنانچہ انتظامیہ نے ۲۸ر اگست ۱۹۷۲ء کو لیٹر نمبر آئی۔ آر۔ ڈی۔ ۴۰-۳۴/ ۶۲/۷۲۳ کے ذریعے معطلی کے احکامات واپس لے لئے۔ اور ۲۹ر اگست سے ڈیوٹی انجام دینے کی ہدایت کی۔ جب ۲۹ر اگست کو یہ مزدور شپ یارڈ پہنچے۔ تو انہیں گیٹ پر ہی روک لیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اپنے سینئر نمائندوں کو بھیج دو، جب یونین کے مخلص کارکن مزدوروں کو گیٹ پر رک لینے کے اسباب معلوم کرنے کے لئے انتظامیہ کے حکام سے ملے۔ تو انتظامیہ نے پوچھا کہ "آپ نے کنیز فاطمہ سے سمجھوتہ کیا ہے یا نہیں، کیونکہ جب تک آپ کنیز فاطمہ سے سمجھوتہ نہیں کر لیتے اس وقت تک ان مزدوروں کو ڈیوٹی پر نہیں لیا جا سکتا۔"

یہ چودہ محنت کش ابھی تک معطل ہیں۔ فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انتظامیہ کہتی ہے کہ پہلے کنیز فاطمہ سے سمجھوتہ کرو۔ اسے اپنا قائد مانو۔ تب تمہیں بحال کیا جائے گا۔ لیکن مزدوروں کا کہنا ہے کہ کنیز فاطمہ نے ہمیشہ مزدوروں کے مفادات سے غداری کی ہے۔ انتظامیہ سے گٹھ جوڑ کر کے محنت کشوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے کنیز فاطمہ سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ روزانہ سینکڑوں خطوط مرکزی وزیر مواصلات جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کو لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں خفیہ رائے شماری کے ذریعے دوبارہ الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اگر حکومت نے فوری طور پر کوئی اقدام نہ کیا تو یہ قومی ادارہ۔ شپ یارڈ تباہ ہو جائے گا۔

—— ● ——

کوٹری

سینڈوز کی انتظامیہ مزدور دشمنی میں بہت آگے نکل گئی

ثقلین نقوی

سینڈوز (پاکستان) لمیٹڈ کی انتظامیہ نے شروع ہی سے ٹریڈ یونین ازم کو دل سے قبول نہیں کیا اور ہمیشہ اس کوشش میں رہی کہ کسی نہ کسی طرح یہاں یونین کا وجود نہ رہے آج جبکہ حکومت ایک ہیلتھ پالیسی کا اعلان کر چکی ہے اور یہ یونین حکومت کی اس عوامی پالیسی کی مکمل حمایت کرتی ہے سینڈوز انتظامیہ اپنی مزدور دشمنی اور یونین دشمنی میں کچھ زیادہ ہی سرگرم

عمل ہوگئی ہے تاکہ اس پالیسی کی آڑ میں وہ بغیر کسی مزاحمت کے مستقبل قریب میں لوگوں کو بے روزگار کر سکے۔ ان کے جائز حقوق غصب کر سکے اور حکومت کی اس پالیسی کو بھی ناکام بنا سکے۔ آج کل پریس میں سینڈوز سے متعلق جو کچھ خبریں آ رہی ہیں اس کی بنیادی وجہ سینڈوز انتظامیہ کی یہ خواہش ہے کہ یونین کو کسی نہ کسی طرح کمزور کیا جائے۔

سینڈوز انتظامیہ کی مزدور دشمنی کا آغاز اس دن سے شروع ہوتا ہے جب ۱۹۷۰ء میں یونین بنانے کے جرم میں تقریباً تیس افراد کو نوکری سے نکال دیا گیا۔ ان میں یونین کے تمام عہدیداران بھی شامل تھے جو طویل جد و جہد کے بعد موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سروس پر بحال ہوئے ابھی تک باقی کئی لوگ سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ پچھلے سال اکتوبر میں جب مطالبات پیش کیئے گئے تو انتظامیہ نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یونین کے صدر سمیت کئی عہدیداروں کو نکال دیا۔ اور ان ساتھیوں کی نوکری کی خاطر یونین کو سب مطالبات چھوڑ کر معاہدہ کرنا پڑا

موجودہ جھگڑا مارچ ۷۲ء سے شروع ہوتا ہے جب یونین نے انتظامیہ کے سامنے اپنے مطالبات رکھے اور اس سلسلے میں اس وقت کے گورنر کے مشیر اعلیٰ میر رسول بخش تالپور کے ساتھ کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ میر صاحب بذات خود فیکٹری تشریف لائے مگر مسائل ان کے گورنر بن جانے اور انتظامیہ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے حل نہ ہو سکے اور انتظامیہ نے حسب معمول صحت پالیسی کی آڑ میں ۴ مئی ۱۹۷۲ء کو غیر قانونی طور پر لے آف کا اعلان کر دیا جو بعد میں وزیر محنت عبدالستار گبول کی مداخلت پر ۸ مئی کو ختم کیا۔ اور دوسرے مسائل پر وزیر موصوف نے مداخلت کی۔ ان سے مئی ۷۲ء میں حیدر آباد اور کراچی میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔

جب مسائل پر انتظامیہ نے مکمل ہٹ دھرمی کا موقف اختیار کیا تو یونین کو مجبوراً قانونی طریقہ کار کا سہارا لینا پڑا۔ مندرجہ ذیل چھ مطالبات پر مبنی ۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو سیکشن ۲۶۔ انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۹ء کے تحت انتظامیہ کو نوٹس دیا۔

۱۔ ان تمام افراد کی بحالی جنہیں ۱۹۷۰ء میں غیر قانونی طور پر برطرف کیا گیا تھا۔

۲۔ چھ مالیوں کی مستقلی جو کئی سالوں سے کام کر رہے ہیں۔

۳۔ ایک مکینک کی بحالی۔

۴۔ معاہدے کے مطابق فیئر پرائس شاپ کھولی جائے۔

۵۔ معاہدے کے مطابق شفٹ الاؤنس دیا جائے۔

۶۔ دو مزدوروں کی اصلی تنخواہ دی جائے جو وہ ایک سیکشن سے دوسرے سیکشن میں تبدیلی سے پہلے وصول کر رہے تھے۔

مذاکرات ناکام ہونے کے بعد ۸۔ اگست کو یونین نے ہڑتال کا نوٹس دیا۔ پیپلز پارٹی کے لال بن یوسف کی مداخلت پر نوٹس میں ایک ہفتے کی توسیع کی گئی مگر پھر بھی انتظامیہ کا ہٹ دھرمی کا رویہ بدستور قائم رہا تو مجبوراً ۲۹۔ اگست کو مزدوروں کو ہڑتال پر جانا پڑا۔ یونین ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر ہڑتال کو ممکنہ حد تک ٹالنے کی کوشش کرتی رہی اور گورنر سندھ سے ۲۸۔ اگست کو حیدر آباد میں ملاقات کر کے صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ ان کی ہدایت پر ۲۹۔ اگست کو اسٹنٹ کمشنر کوٹری کے آفس میں ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں اسسٹنٹ کمشنر کوٹری کا رویہ نہایت ہی جانبدارانہ تھا۔ انہوں نے دھمکی دی کہ اگر انتظامیہ کی مرضی کے مطابق سمجھوتے پر دستخط نہ کیے گئے تو وہ یونین کے نمائندوں کو گرفتار کرا دیں گے۔ ایسے سمجھوتے پر دستخط کرنے سے انکار کی صورت میں جنرل سیکرٹری اور آفس سیکرٹری کو وہیں گرفتار کر لیا گیا اور شام کو پانچ بجے پولیس نے نہایت اشتعال انگیز طریقے سے دو اور مزدوروں کو گرفتار کر لیا اور فیکٹری میں لڑکیوں سے بدسلوکی کی۔ اسسٹنٹ کمشنر کوٹری نے صدر پاکستان اور گورنر سندھ کی شان میں نازیبا الفاظ بھی استعمال کیے۔ گرفتار شدگان کو گورنر سندھ کی ذاتی مداخلت پر رات دو بجے رہا کر دیا گیا۔ یہاں دادو کی انتظامیہ کے اس گمراہ کن ہینڈ آؤٹ کی اصلیت کا ذکر کرنا ضروری ہے جو انہوں نے اس واقعے کے سلسلے میں جاری کیا ہے۔ دو گروہوں کے جس فرضی جھگڑے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تقریباً آٹھ مزدور شروع سے لے کر آخر تک بغیر کسی مزاحمت کے کام کرتے رہے۔ اس طرح ہینڈ آؤٹ میں کہا گیا ہے کہ ہڑتالی مزدوروں نے لڑکیوں کی بے عزتی کی جبکہ حقیقتاً بہت سی لڑکیاں خود ہڑتال پر تھیں۔ اسی طرح مذاکرات کے دوران گرفتار کرنے کے اشتعال انگیز عمل کو چھپانے کی بھی ناکام کوشش کی۔ اس ہینڈ آؤٹ سے انتظامیہ نے سو فیصد جانبداری کا ثبوت مہیا کر دیا۔

گورنر سندھ کی ہدایت پر ڈپٹی کمشنر دادو نے مداخلت کی اور مذاکرات ابھی تک جاری ہیں۔ پانچ ستمبر کو گورنر سندھ میر رسول بخش تالپور نے ڈپٹی کمشنر دادو کے ذریعے مزدوروں سے اپیل کی کہ وہ ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر ہڑتال ختم کر دیں اور یہ کہ وہ مزدوروں کے مسائل بذات خود حل کرائیں گے۔ سندھ کے مزدوروں نے میر صاحب کی اپیل اور یقین دہانی پر ۵ ستمبر شام ۵ بجے سے ہڑتال ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ۶ ستمبر کو چھ افراد پر مشتمل ایک وفد نے گورنر سندھ سے کراچی میں ملاقات کی اور اپنے فیصلے سے آگاہ کیا، جس پر میر صاحب نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ ڈپٹی کمشنر دادو کے توسط سے مسائل کو فوراً حل کرائیں گے اگر مذاکرات میں کوئی رکاوٹ ہوئی تو وہ خود مداخلت کریں گے۔

ہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس وقت یونین ملک کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر اپنے اسی فیصد مطالبات سے اگلے چارٹر تک دستبردار ہو چکی ہے۔ چھ مالیوں میں سے چار مالیوں کو پہلے ہی مستقل کیا جا چکا ہے۔ اب صرف ایک مالی کی مستقلی اور ایک مکینک کے مسئلے کا منصفانہ حل کا مطالبہ بھی انتظامیہ مان نہیں رہی ہے اور انتظامیہ میر رسول بخش تالپور کے سامنے ان دو مسائل کے حل پر متفق ہو چکی تھی مگر اب اپنے موقف سے انحراف کر کے حالات کو بدتر سے بدترین بنانے کے درپے ہے۔ اور اس مالی کو اب بالکل نوکری سے علیحدہ کر دیا ہے۔

چند روز سے پریس میں ایسی چیزیں آ رہی ہیں جن سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سینڈوز میں لسانی بنیاد پر آپس میں اختلافات موجود ہیں اور اس بنیاد پر کچھ مزدوروں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ سینڈوز انتظامیہ کسی نہ کسی طریقے سے مزدوروں کے اتحاد کو توڑنا چاہتی ہے چنانچہ گذشتہ لسانی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر ہمارے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پانچ چھ ضمیر فروش مزدوروں کی خدمات حاصل کیں لیکن سینڈوز کے باشعور مزدوروں نے ان کی اس سازش کو بھی بری طرح سے ناکام بنا دیا۔ کیونکہ مزدور اپنے مفاد کو اچھی طرح سے سمجھنے لگے ہیں اور اب وہ ان سرمایہ دارانہ سازشوں کا مزید شکار نہیں ہو سکتے، جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ہڑتال میں تمام زبانیں بولنے والے مزدوروں نے حصہ لیا۔ سینڈوز کے مزدوروں میں مقامی اور غیر مقامی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ۹۵ فیصد مقامی مزدور یونین کے سرگرم رکن ہیں۔ یونین کی مجلس عاملہ کے عہدے داروں میں ہر زبان بولنے والے افراد موجود ہیں اور سب ایک ہو کر اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں۔ یہ انتظامیہ اور اس کے چند کرائے کے لوگوں کی سازشیں ہیں۔

یونین کا مطالبہ ہے کہ :۔

۱۔ حکومت فوری طور پر ایک مالی عبدالرشید کو نوکری پر رکھوا کر اور دوسرے مسائل حل کرا کے گورنر سندھ کا وہ وعدہ پورا کرے جس کی بنیاد پر مزدوروں نے اپنی آٹھ روزہ ہڑتال ختم کی ہے۔

۲۔ حکومت سینڈوز انتظامیہ اور اس کے چند حواریوں سے سخت باز پرس کرے جو لسانی منافرت پیدا کر کے صوبے اور ملک کے مفادات کے خلاف کام کر رہے ہیں

ہم سمجھتے ہیں کہ مزدور کسان طلبہ اتحاد کو توڑنے کی ایک منظم سازش ہے۔

۳۔ حکومت مقامی انتظامیہ کے جانبدارانہ رویے کی تحقیقات کر کے مناسب کارروائی کرے تاکہ مزدوروں میں خوف و ہراس کی فضا ختم ہو اور وہ پوری توجہ سے ملکی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے تندہی سے کام کر سکیں۔

روہڑی اسٹیشن پر ہر کام "نذرانہ" سے ہوتا ہے

محمد سلیم خان

پاکستان میں صدر بھٹو کی قیادت میں عوامی حکومت قائم ہوئے چھ ماہ سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ عوامی حکومت نے اس قلیل عرصہ میں سرکاری سطح پر محکموں میں بدعنوانیاں روکنے کے لئے بھرپور کوشش کی اور کر رہی ہے۔ مگر بدکردار اور بدعنوان افسروں اور انچارجوں میں سے بیشتر نے اپنی روش نہیں بدلی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی بدعنوانیاں بڑھتی جا رہی ہیں جن کی وجہ سے درجہ سوئم اور چہارم کے ملازمین میں بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہم جناب ڈی۔ ایس صاحب سکھر کی توجہ روہڑی ریلوے اسٹیشن پر متعین ہیڈ ٹکٹ کلکٹر کی کارگزاریوں پر مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ہیڈ ٹکٹ کلکٹر مسٹر شوکت پہلے چیکنگ برانچ میں اسپیشل ٹکٹ ایگزامنر تھے اور اپنی رشوت خوری اسمگلنگ اور بدکرداری کی وجہ سے پورے ڈویژن میں مشہور تھے۔ اور میں اس سلسلہ میں ان حضرت پر محکمہ جاتی بے قاعدگیوں کی جانچ پڑتال بھی ہو چکی ہے۔ عرصہ دو سال سے ریلوے انتظامیہ نے مذکورہ شخص کو ہیڈ ٹکٹ کلکٹر کی حیثیت سے روہڑی اسٹیشن پر تعینات کر رکھا ہے۔ یہ حضرت یہاں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور ماہانہ بھتہ مقرر کروا لیا ہے جائے کے اسٹالوں سے "ماہانہ" وصول کرتے ہیں اور اس کے عیوض غیرقانونی طور پر اشیاء خورد و نوش فروخت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ خورد و نوش کی چیزوں کی قیمت کا کوئی تعین نہیں ہے مسافروں سے منہ مانگے دام وصول کئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی پرسان حال نہیں۔ موسم گرما میں انھوں نے کولر والوں سے ساز باز کر کے کولر مشین خراب کرا دی۔ تاکہ غریب مسافروں کو ٹھنڈا پانی نہ مل سکے اور وہ مجبوراً سوڈا لیمن والوں سے بوتلیں خرید کر پیاس بجھائیں۔ دوسری طرف انتظامیہ جو موسم گرما میں پانی بھرنے والوں کو بھرتی کرتی ہے۔ ان سے نقد یا فیس کی شکل میں نذرانہ وصول کر کے حسب منشا ڈیوٹی لگاتی ہے جو پانی والے "نذرانہ" نہیں دیتے یا ان کے گھر پر کام کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے تنگ کیا جاتا ہے اس سلسلے میں جو احتجاج کرتا ہے۔ وہ "موصوف" اور ان کی پارٹی کے انتقام کا نشانہ بنتا ہے۔ گرمیوں میں دس من برف ریلوے کی طرف سے مسافروں کو ٹھنڈا پانی مہیا کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اس میں سے آدھی برف کی رقم "موصوف" کی جیب میں جاتی ہے۔ بقیہ آدھی برف میں سے کچھ حصہ "موصوف" اور ان کے حاشیہ برداروں کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح تقریباً دس من برف میں سے بمشکل تین من برف ۲۴ گھنٹوں میں واٹر ٹینکوں کے ذریعے استعمال ہوتی ہے۔ غیر لائسنس یافتہ خوانچہ فروشوں سے اور مختلف اشیاء فروخت کرنے والوں سے باقاعدہ وصولی کی جاتی ہے جو کہ پلیٹ فارم پر مختلف اشیاء فروخت کرتے نظر آئیں گے۔

آجکل انھوں نے ماتحت عملہ کو پریشان کرنے کا نیا شغل اختیار کر رکھا ہے۔ اکثر آدمیوں کو گاڑی سے بلا ٹکٹ بھجوانے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ اور انکار پر انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ آجکل ریلوے انکوائری آفس موصوف کی کمائی کا ذریعہ بنا ہوا ہے، وہ اس طرح کہ اسٹیشن پر انکوائری آفس کو بنا ہوا ہے لیکن ابھی تک باقاعدہ انکوائری کلرک تعینات نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس دفتر کا کام موصوف کی مرضی سے چلایا جاتا ہے۔ جو ان کی ذاتی آمدنی میں منافع کا ذریعہ بن گیا ہے۔ یعنی جو ٹکٹ کلکٹر "موصوف" کو روزانہ "دو بھتہ" یا نذرانہ یا ۱۰ روپیہ فی ہفتہ نقدی کی شکل میں دے دے اس کی ڈیوٹی نہیں لگائی جاتی اور جو اس سے انکار کرے اسے خاص طور پر انتقام کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یعنی ہر دوسرے تیسرے روز ڈیوٹی بدل دی جاتی ہے۔ یا انکوائری آفس میں مستقلاً لگا دیا جاتا ہے اور اس تقرری کے لئے باقاعدہ جعلی چھٹیاں تیار کی جاتی ہیں اور ٹکٹ کلکٹر مذکور کو بتایا جاتا ہے یہ سب کام ڈی۔ ایس آفس کے حکم پر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سب فراڈ ہوتا ہے۔ ڈی ایس آفس کی تو دور کی بات ہے۔ اسٹیشن ماسٹر روہڑی کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔

اس قسم کی بے شمار بے قاعدگیاں صرف اور صرف صاحب "موصوف" کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اور عملہ میں بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔

نوشہرو فیروز

علی احمد میمن کی برطرفی پیپلز پارٹی کے منشور کے خلاف ہے

شاہد انور میمن

نوشہرو فیروز تحصیل میں پیپلز پارٹی اس کے نام نہاد مقامی صدر تک محدود رہ گئی ہے اور تنظیمی حیثیت سے انتشار کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ تعلقہ کے جنرل سیکرٹری جناب علی احمد میمن نے ضلع صدر جناب قاضی محمد بخش اور تعلقہ صدر جناب قائم الدین سونارو کے خلاف سنگین الزام عائد کئے تھے اور جناب میر رسول بخش خان ٹالپر کو بطور احتجاج اپنا استعفیٰ روانہ کر کے مطالبہ کیا تھا کہ ان الزامات کی تحقیقات کرائی جائے۔ جناب میر رسول بخش خان ٹالپر نے ان کا استعفیٰ تو منظور نہیں کیا البتہ استعفیٰ کی کاپی جناب قاضی محمد بخش کو بھیج دی اس پر موصوف نے غیر جمہوری طریقہ پر عمل کرتے ہوئے جناب علی احمد میمن جیسے کارکن کا استعفیٰ منظور ہی نہیں کیا۔ بلکہ انہیں بنیادی رکنیت سے بھی خارج کر دیا جس کا پارٹی منشور کے مطابق انھیں حق نہیں پہنچتا تھا۔ اس غیر جمہوری قدام سے پرانے کارکنوں کو بہت صدمہ ہوا اور وہ بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے۔ کیونکہ یہ وہی علی احمد میمن ہیں جنہوں نے نوشہرو فیروز تعلقہ میں پیپلز پارٹی کے منشور کو گھر گھر پہنچایا تھا۔ یہ وہی علی احمد میمن ہیں جنہوں نے عباس باغی، محمد ملوک جانوری، مولا بخش پیرزادہ، محمد منور آرائیں، مرحوم گلن سولنگی، عزیز میمن، رفیق عباسی، فدا حسین شاہ، نظام الدین اور محمد حیات بھیل اور دیگر دوستوں کے تعاون سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری پر پورے پاکستان میں سب سے پہلے اعلانیہ احتجاج کیا۔ انھوں نے ایوبی دور سے بھٹو دور تک اس تعلقہ کی تقریباً دو ہزار ایکڑ زرعی زمین پر ان ہاریوں کا قبضہ کرایا جو ان اراضی کے اصل مالک ہیں۔ تعلقہ کے بڑے زمیندار افسر شاہی کے مدد سے ہضم کر گئے

تھے یہ وہی علی احمد میمن ہیں جو ہاریوں کے علاوہ مزدوروں میں بھی کام کرتے رہے اور انہوں نے پورے نواب شاہ کے خاکروبوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا اور ذہن نشین کرایا کہ خاکروب بھی اس معاشرے کے فرد ہیں۔ خاکروبوں کی بغیر شہری آبادی ایک دن بھی گذارہ نہیں کر سکتی۔

جناب علی احمد میمن کے اس نظریہ سے ضلع نواب شاہ کے خاکروبوں میں انقلاب آگیا اور وہ متحد ہو کر اپنے مطالبات تسلیم کرانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ جناب علی احمد میمن اپنی جدوجہد میں آج بھی اسی طرح مصروف ہیں۔" لیکن ان کی غیر جمہوری برطرفی سے تعلقہ پیپلز پارٹی نوشہرو فیروز میں نظریاتی لیڈرشپ کا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ جسے فی الحال کوئی پُر نہیں کر سکتا بلکہ تعلقہ پیپلز پارٹی میں دن بدن انتشار بڑھتا جا رہا ہے اور صورت الحال سنگین صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ یہ سنگین صورت اس وقت سامنے آئی جب ۲۲ اگست ۱۹۷۲ء کو جناب میر رسول بخش تالپور نوشہرو فیروز آئے اور اس موقع پر ان کے سامنے شکایات کے انبار پیش کئے گئے اور جلسہ ان شکایات اور ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔ اب اس تعلقہ میں پیپلز پارٹی کی جگہ پاکستان مزدور کسان پارٹی خاصی مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔

سوات

صُوبہ سرحد میں شکاگو کی تاریخ دُہرائی جا رہی ہے

عبدالغفار خان

جب سے صوبے میں نیشنل عوامی پارٹی نے اقتدار سنبھالا ہے اُسے خوانین کو پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے صوبے کے دوسرے اضلاع میں خوانین انتظامیہ سے مل کر کسانوں اور مزدوروں پر مظالم کی بوچھاڑ کے شروع کر دی ہے اس طرح ضلع سوات کے مختلف مقامات پر بھی نیشنل عوامی پارٹی پاکستان مسلم لیگ جماعت اسلامی جمعیت العلمائے اسلام کے خوانین نے کسانوں کے گھروں کو نذر آتش کر دیا مساجد شہید کیں، لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ حال ہی میں علاقہ کس لیلونٹری تحصیل الپوری کے کسانوں پر خوانین نے طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔

- ۴۸ مکانات جلائے گئے۔
- مسجد شہید کی گئیں۔
- ایک کسان الف گل کو شہید کیا گیا۔
- کسانوں کے مویشی ذبح کئے گئے۔

خوانین دفعہ ۱۴۵ ضابطہ فوجداری کے تحت کسانوں کو اپنے مکانات سے نکال رہے ہیں۔

میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مزدور کسان پارٹی کے گرفتار شدہ لیڈروں کو رہا کیا جائے۔ سخاکوٹ ملاکنڈ، درگئی میں کسانوں پر ہونے والے مظالم کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے ظلم کے ذمہ دار خوانین کو عبرتناک سزا دی جائے۔

ایسی کوئی حکومت ظلم اور جبر کے بل بوتے پر زیادہ دن نہیں چل سکتی۔ ہر آنیوالا دن انقلاب کو نزدیک لا رہا ہے صوبہ سرحد میں غریب کسانوں مزدوروں پر ظلم کی حد ہو چکی ہے۔ شکاگو میں آج سے تقریباً دو سو سال قبل مزدوروں کو شہید کیا گیا تھا۔ بھٹو صاحب نے پورے ملک میں یوم مئی کے موقع پر عام تعطیل کی اور ان کا دن منانے کا حکم دیا۔ مگر آج صوبہ سرحد میں جگہ جگہ شکاگو کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔

گولیوں سے سینے چھلنی کئے جا رہے ہیں، کسان کو زندہ جلایا جا رہا ہے گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔ عورتوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ پاکستان کے ایک صوبہ میں ہو رہا ہے نہ جانے کیوں بھٹو صاحب پاکستان کا صدر ہوتے ہوئے بھی صوبائی حکومت سے باز پرس کرنے سے مجبور ہیں۔

مولانا مفتی محمود صاحب۔ خون ناحق چھپ نہیں سکتا گولیوں اور ہتھکڑیوں سے مزدوروں کسانوں کی آواز کو نہیں دبایا جا سکتا انقلاب اس ملک کا مقدر بن چکا ہے۔ یہاں مزدور کسان راج قائم ہو کر رہے گا۔ سرمایہ دار جاگیردار مذہب کے نام نہاد ٹھیکیدار اخباری بیانات سے اپنے مظالم پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔

قریب ہے یار روز محشر خون ناحق چھپے گا کیوں کر جو زبان چپ رہے گی خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

شیرپاؤ کا فرض ہے کہ قومی اسمبلی کو کسانوں پر ہونے والے مظالم سے خبردار کریں۔

اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے صوبائی اسمبلی کا اجلاس کروائیں اور ان مظالم کے بارے میں وزیراعلیٰ اور گورنر سے جواب طلب کریں۔ مگر معلوم ہوتا ہے جناب محمد خان شیرپاؤ بھی اپنا طبقاتی کردار ادا کر رہے ہیں۔ میں بھٹو صاحب سے اپیل کرتا ہوں صرف ہاتھ کپکپانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ ذوالفقار حیدری کو مضبوطی سے پکڑیں اور ظالموں کے ہاتھ قلم کریں۔ صوبائی حکومت سے باز پرس کریں۔ قوم سے سرمایہ داری اور جاگیرداری ختم کرنے کا وعدہ پورا کریں۔

معراج محمد خاں وزیر مملکت برائے عوامی امور سے درخواست ہے کہ وہ ملاکنڈ کا دورہ کریں خوانین کے ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ مظلوم کسانوں کے حالات معلوم کریں۔

صوبائی حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ مزدور کسان پارٹی کے گرفتار شدہ لیڈروں فرید اللہ شاہ ایڈووکیٹ شاہجہان خان ایڈووکیٹ۔ قاضی انور ایڈووکیٹ۔ محترم محمد خان کاکا ایڈیٹر ہفتہ روزہ صنوبر شیر علی بابا۔ قادر خان کو فوری طور پر رہا کریں۔

افضل بنگش کے وارنٹ گرفتاری واپس لئے جائیں اسلحہ کے لائسنس دینے بند کریں۔ جی ٹی ایس کے مطالبات تسلیم کرو۔ ایف پی ٹیکسٹائل ملز جہانگیرہ مزدور یونین کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

بقیہ: ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں

ہوا اور فوجی کارروائی کا آغاز ہوا۔

اس طرح مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی پھر نیپ پر پابندی عائد ہوئی۔ ولی خاں اور ان کی پارٹی کے دوسرے رہنماؤں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ جماعت اسلامی نے یحییٰ خاں سے اصرار کیا کہ پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کی دوسری جماعتوں کو بھی پابندی لگا کر کچل دیا جائے مگر یحییٰ خاں اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ فوری طور پر مغربی پاکستان میں محاذ آرائی کے حق میں نہ تھے۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ مشرقی پاکستان سے نمٹنے کے بعد مغربی پاکستان میں محاذ کھولا جائے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ بھارت نے مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کی۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ مغربی پاکستان میں بھی جنگ کا محاذ کھل گیا۔ اس جنگ میں پاکستان کو فوجی شکست ہوئی۔ مشرقی پاکستان ہاتھ سے جاتا رہا۔ یحییٰ خاں دستبردار ہوئے اور اقتدار پیپلز پارٹی کے ہاتھ آیا۔

صدر بھٹو نے برسر اقتدار آتے ہی اس سیاسی خیرسگالی کا مظاہرہ کیا کہ نیپ پر سے پابندی ختم کر دی۔ ولی خاں اور نیپ کے دوسرے نظربند رہنما رہا کر دئیے گئے اور یہ کوشش کی گئی کہ پیپلز پارٹی، نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام کے

تعاون سے ایک ایسی قومی حکومت بنائے جو ملک کو سیاسی اور اقتصادی بحران سے نکالنے میں مددگار ثابت ہو۔ یہی وہ جذبہ تھا جس کے پیش نظر مارچ میں سہ فریقی سمجھوتہ ہوا نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام کے رہنماؤں نے اس کا خیر مقدم کیا اور ایسے آثار نظر آنے لگے کہ سہ فریقی سمجھوتہ دیرپا ثابت ہوگا مگر اسی دوران آتما چند کابل سے پشاور آیا اور ولی خاں سے ملا۔

اس ملاقات کے چند ہی روز بعد ولی خاں نے مختلف عذر تراش کر سہ فریقی سمجھوتے سے انحراف اور پیپلز پارٹی کی مخالفت شروع کر دی۔ پھر یہ مخالفت اتنی بڑھی کہ انہوں نے کھلم کھلا خانہ جنگی اور بغاوت کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اسی زمانے میں یہ اطلاعات اخبارات میں شائع ہوئیں کہ قابل کے راستے اربوں روپے کی کرنسی بنگلہ دیش سے لا کر سرحد، بلوچستان اور سندھ میں تقسیم کی گئی۔ اس کے علاوہ ان صوبوں میں غیر ملکی اسلحہ بھارت اور روس کے ذریعے اسمگل ہو کر اس کثرت کے ساتھ بانٹا گیا کہ ولی خاں نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ مشرقی پاکستان میں اتنے چاقو نہ ہوں گے جتنی ہمارے پاس بندوقیں اور رائفلیں موجود ہیں۔

کیا یہ سب کچھ آتما چند کے اشارے پر ہوا؟ حقائق یہی بتاتے ہیں لیکن آتما چند کو یہ حق کیسے حاصل ہوا اور کس نے دیا؟ اس سلسلے میں جو مصدقہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق جب مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی شروع ہوئی تو نیپ (ولی گروپ) کے مشرقی پاکستانی رہنما پروفیسر مظفر اور دوسرے لیڈروں نے فرار ہو کر بھارت میں پناہ لی۔ پھر نیپ پر پابندی عائد کر کے جب اسے مشرقی اور مغربی پاکستان میں غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا تو کلکتہ میں، نیپ کے رہنماؤں کا ایک اجتماع ہوا۔ اس میں آتما چند نے بھی شرکت کی۔ اس اجتماع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ نیپ کا ایک دفتر کابل میں قائم کیا جائے مغربی پاکستان نیپ کا چارج اس دفتر کے سپرد کیا گیا جس کا کام مغربی پاکستان میں نیپ کے ان کارکنوں سے رابطہ قائم کرنا تھا جو گرفتاری سے بچ گئے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے فرائض میں یہ بھی داخل تھا کہ مشرقی پاکستان بھارت اور مغربی پاکستان کی نیپ کے درمیان رابطہ قائم کرے۔ کابل کے اس دفتر کا سربراہ آتما چند کو مقرر کیا گیا۔ اس طرح مغربی پاکستان نیپ براہ راست، آتما چند کے تحت آگئی۔

چنانچہ ولی خاں اور نیپ کے جتنے رہنما کابل گئے انہوں نے سب سے پہلے آتما چند سے ملاقات کی۔ خود آتما چند اب تک تین بار پشاور کا دورہ کر چکا ہے۔ گذشتہ جولائی کے مہینے میں وہ چند روز کے لیے سندھ بھی گیا اور وہاں سے کوئٹہ پہنچا۔

اس دورے میں اس نے نیپ کے کم و بیش تمام اہم لیڈروں سے بات چیت کی۔ وہ جتنی بار کابل سے پاکستان آیا اس کے ہر دورے کے بعد نیپ نے پاکستان میں گڑبڑ اور سیاسی انتشار پھیلانے کی کوشش کی۔

دیوان آتما چند آج کل لندن میں مقیم ہے۔ اس کی ہدایت پر نہ صرف مغربی پاکستان کے سیاست دان بلکہ شیخ مجیب بھی لندن پہنچے تھے۔ ان دنوں وہاں کسی نئے لندن پلان پر نہیں بلکہ پہلے سے تیار شدہ منصوبے کے دوسرے مرحلے کی تکمیل کے لیے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ آتما چند سے قریبی تعلق رکھنے والوں کی اطلاع کے مطابق، پاکستان کا ایک ایسا نقشہ تیار کیا گیا ہے جس میں صوبہ سرحد کا نام پختونستان ہے اس کا علاقہ بڑھا کر بلوچستان کے اس حصے تک کر دیا گیا ہے جہاں پٹھانوں کی اکثریت ہے۔ بلوچستان کے نئے رقبے میں ڈیرہ غازیخاں ڈیرہ اسماعیل خاں کے علاوہ سندھ کے بعض ایسے علاقے شامل ہیں جہاں بلوچ آبادی ہے۔ اسی طرح سندھ کا علاقہ بڑھا کر اس کی سرحدیں ضلع ملتان سے ملا دی گئی ہیں۔ سندھ کا نام جمہوریہ سندھ دیش رکھا گیا ہے۔ اس نقشے میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو آزاد اور خود مختار مملکتیں ظاہر کیا گیا ہے

بعض اطلاعات کے مطابق لندن پلان کے تحت یہ پروگرام بنایا گیا ہے کہ نومبر ۱۹۷۲ء کے تیسرے ہفتے میں سندھ کے اندر سیاسی گڑبڑ پیدا کی جائے۔ حالات اس قدر خراب کر دیئے جائیں کہ پہلے وہاں بھارت میں تربیت پانے والے تخریب کار داخل ہوں اور جب حالات سنگین صورت اختیار کر لیں تو بھارتی فوجیں سندھ میں داخل ہو جائیں اس کے ساتھ ہی ایسے حالات سرحد اور بلوچستان میں پیدا کیے جائیں جہاں افغانستان کے راستے بھارتی فوجوں کے ساتھ ساتھ افغان فوج بھی داخل ہو جائے۔

منصوبے کا یہ مرحلہ مشرقی پاکستان میں پیش آنے والے واقعات کے تجربے کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ نومبر کے مہینے کو بغاوت کے لیے اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس وقت تک ہمالیہ کے کوہستانی راستوں پر برف باری شروع ہو جائے گی عوامی جمہوریہ چین اگر بھارتی حملے کے خلاف پاکستان کی کوئی فوجی امداد کرنا چاہے تو اس کے لیے برفباری کے باعث تمام راستے بند ہوں۔ اس طرح وہ پاکستان کی مدد کرنے کے قابل نہ ہوگا۔

بتایا جاتا ہے کہ لندن پلان کے اس مرحلے میں روس زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کر رہا ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ بھارت نے مغربی پاکستان میں کھلم کھلا جارحیت کی تو عین ممکن ہے کہ چین کھل کر پاکستان کی مدد کرے۔ علاوہ ازیں اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امریکہ خاموش تماشائی بنا رہے اور پاکستان کو بنگلہ دیش کی طرح بھارت کے تسلط میں آسانی سے جانے دے

اس لیے کہ پاکستان میں اس کے سیاسی اور اقتصادی مفادات سے قطع نظر سب سے بڑا خطرہ اسے مشرق وسطیٰ میں تیل کی امریکی اجارہ داریوں کا ہے۔ وہ بھارت کے بڑھتے ہوئے اس سیاسی حلقے کو آسانی سے برداشت نہیں کر سکتا۔ خود روس بھی یہ نہیں چاہتا کہ بھارت، ایشیا کے اس علاقے میں اتنی بڑی قوت بن جائے جو کسی وقت اس کے لیے بھی خطرہ بن سکتی ہے۔

خود بھارتی حکمران اس معاملے میں دو حلقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک حلقہ یہ چاہتا ہے کہ مغربی پاکستان کو فی الحال برقرار رہنے دیا جائے اور اندرونی انتشار کے ذریعے اسے کمزور سے کمزور تر کر کے اس حالت پر پہنچا دیا جائے کہ وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر اس کا دست نگر بن جائے۔ مگر ہندوستانی حکمرانوں کا دوسرا حلقہ یہ کہتا ہے کہ جتنا وقت گزرتا جا رہا ہے پیپلز پارٹی کی حکومت مستحکم ہوتی جا رہی ہے۔ پاکستان میں اس حکومت کے استحکام کا مطلب پاکستان کا استحکام ہے اگر فوری طور پر اسے توڑ پھوڑ کر ختم نہ کیا گیا تو اسے بعد میں ختم کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ بھارتی حکمرانوں کا یہ گروہ نہ صرف زیادہ طاقتور ہے بلکہ لندن پلان کی تکمیل اسی کے نمائندوں کی نگرانی میں ہو رہی ہے۔

ان حالات میں شملہ معاہدے کی کامیابی کے امکانات نہ صرف مدہم پڑ گئے ہیں بلکہ یہ بھی امکان ہے کہ بھارت، مغربی پاکستان کے علاقوں سے اپنی اپنی فوجوں کی واپسی میں مزید تاخیر کرے اور نومبر تک ٹال مٹول سے کام لیتا رہے۔ لندن میں مقیم پاکستانی رہنماؤں کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ کسی طور پیپلز پارٹی کی حکومت سے تعاون نہ کیا جائے تاکہ وہ ان بیرونی مسائل سے نمٹ کر اندرونی حالات کو سدھارنے کے قابل نہ ہو جائے۔

بقیہ :- اداریہ

ہے کہ وزراء کرام میں سے بعض دانستہ طور پر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں جن سے صدر بھٹو کا عوام میں امیج خراب ہو سکتا ہے اور حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے۔

الفتح نے اصولوں کی بنیاد پر پیپلز پارٹی کی حمایت کی ہے اور کر رہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ پارٹی کو بدنام کرنے والے ان موقع پرستوں، مفاد پرستوں اور روپیہ بٹورنے والوں کو برسرعام ننگا کریں۔ ہماری خواہش ہے کہ صدر بھٹو انہیں ایسی حرکتوں سے سختی کے ساتھ منع کریں۔ ان کے اعمال ناموں کو ان کے سامنے پیش کریں اور پھر باز نہ آئیں تو انہیں عوام کے سپرد کر دیں کہ یہ ہیں وہ وزراء جنہیں عوام دشمن کارروائیوں کی پاداش میں کیفر کردار تک پہنچایا گیا ہے۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
14 - 21. SEPTEMBER - 1972